روزمرہ آداب

الطاف فاطمہ

زندہ کتابیں

کون سا کام کس طرح کیا جائے؟ روزمرہ کے اِس اہم مسئلے پر اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے ـــــ مشرقی "ایٹی کیٹ" کا جامع انسائیکلوپیڈیا

روزمرّہ آداب

روز مرہ معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع عام پیدا ہوتے ہیں کہ لوگوں کو لوگوں سے ملنا ملانا پڑتا ہے۔ یہ مواقع اس بات کا امتحان ہوتے ہیں کہ ہم کتنے مہذب یا کتنے سوشل ہیں۔ یہ مستند اور جدید کتاب زندگی میں میل ملاپ کے ہر موقع کے لئے صحیح ترین ہدایات کا ذخیرہ ہے۔ اس کی ہدایات پر عمل کرنے سے آپ ہر موقع پر ماحول کی نگاہ میں پسندیدہ اور ہر دلعزیز ٹھیریں گے۔

یہ کتاب آداب یا ایٹی کیٹ کے کھوکھلے اصولوں کو خشک طریقے سے پیش کرنے کے بجائے دوسرے انسانوں کے لئے لحاظ، عزت اور احترام کے جذبے کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ یہ عام فہم اور جامع کتاب اس لیے لکھی گئی ہے کہ آپ سماجی زندگی میں گھبراہٹ، پریشانی اور ندامت سے بچے رہیں اور پورے اعتماد سے وہی کچھ کریں جو کسی موقع کا تقاضا ہو۔

الطاف فاطمہ اردو کی جانی پہچانی افسانہ نگار ہیں اور لاہور کے ایک کالج میں پڑھاتی ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہماری گھریلو اور مجلسی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے میں نمایاں حصہ لے گی۔

روزمرّہ آداب

الطاف فاطمہ

البیان
چوک انارکلی ○ لاہور

"زندہ کتابیں" میں دوسری مرتبہ: ۱۹۶۷ء
طابع: الیکٹرک پریس، لاہور
ناشر: محمد حنیف رامے البیان چوک انارکلی لاہور

ترتیب

آدابِ معاشرت کی ضرورت، ۷
روزمرہ زندگی، ۱۰
میاں بیوی، ۱۵
سسرالی عزیز، ۲۰
والدین اور بچے، ۲۳
ملازمین، ۲۸
ہمسائے، ۳۱
مہمان اور میزبان، ۴۰
لباس اور بناؤ سنگھار، ۴۹
اقامتی مہمان اور ان کی میزبانی، ۷۷
تعارف کرانا، ۸۳
راہ چلتے شناسا، ۸۹
ریڈیو اور ٹیلیفون، ۹۳
مقاماتِ عامہ، ۹۷

خرید و فروخت ، ۱۱۵

استاد اور شاگرد، ۱۱۹

دوست احباب ، ۱۲۳

تعلقات عامہ، ۱۲۷

سفر، ۱۳۵

رسمی اور کاروباری خطوط ، ۱۴۲

دعوتیں اور ضیافتیں ، ۱۴۷

دفتری اور کاروباری معاملات، ۱۷۳

تحائف ، ۱۸۲

شکریہ اور معذرت ، ۱۹۱

شادی بیاہ، ۱۹۵

حرف آخر، ۲۱۳

آدابِ معاشرت کی ضرورت

آدابِ معاشرت کیا ہیں اور زندگی کے کس موقع پر ان کی شدید ضرورت پیش آتی ہے ۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کسی بندھے ٹکے انداز میں دینا مشکل ہے ۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو زندگی کے ہر قدم پر پیش آتی ہے جیسے جیسے زندگی آگے بڑھتی ہے ویسے ویسے اس کا تنوع بھی بڑھتا ہے . . . . اور انسان کے تعلقات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کو آدابِ معاشرت کی ضرورت بھی در پیش آتی ہے ۔ ماں کی آغوش ہی میں مگن رہنے والا بچہ ہر نئے دن اپنے سامنے تعلقات کی ایک نئی دُنیا پاتا ہے ۔ کنبے میں پہلے اُس کے تعلقات محض بزرگوں ہی تک محدود ہوتے ہیں ۔ پھر وہ اپنے سے چھوٹوں اپنی اولاد اور ان کی بھی اولاد سے متعلق ہو جاتا ہے ۔ کنبے کے باہر استادوں اور دوستوں سے اور پھر دوسرے کاروباری رشتے اور تعلقات قائم ہوتے ہیں ۔ نہ صرف ہم خیال اور ہم طبیعت لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے بلکہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بھی رابطہ رکھنا پڑتا ہے ۔ اب کامیاب زندگی کا تقاضا یہ ہے ۔ انسان نہ صرف دوستوں اور عزیزوں میں ہر دلعزیز اور معزز رہے بلکہ مخالفوں اور دشمنوں کی نظر میں بھی باوقار ثابت ہو ۔ اور اسی غرض کے لیے رکھ رکھاؤ اور تکلفات یا یوں

سمجھیے کہ اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

تکلفات کے نام پر بعض لوگ اچانک ہی چونک پڑتے ہیں۔ ان کے نزدیک تکلف کے معنی بے جا اور رسمی قسم کے تکلفات اور بناوٹی اخلاق و اطوار ہیں۔ لیکن دراصل تکلف کا مطلب اپنے طور طریق میں ایک دل آویز قسم کی شائستگی پیدا کرنا ہے اور دوسروں کے لیے ایک خاص سہولیت اور دوستانہ ماحول پیدا کرنا ہے۔ اخلاق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ طوعاً و کرہاً اور بجبر دوسرے سے مسکرا کر بات کریں، خواہ آپ کے تیور کچھ اور ہی کہہ رہے ہوں۔ اخلاق کا اصل مفہوم یہی ہے کہ آپ اپنے رویے سے صحیح معنوں میں اپنے مخاطب کو احساس دلا دیں کہ اس کی موجودگی آپ پر بارِ خاطر نہیں ہے، اس نے وقت بے وقت آکر آپ کو پریشان یا زیربار نہیں کیا ہے، آپ کے لب و لہجے اور کسی بھی لفظ سے دوسروں کی دل شکنی نہ ہو۔ تکلف، اخلاق اور شائستگی کی تربیت مشرق میں بڑے غیر شعوری طور پر دی جاتی ہے بغیر کسی درسی کتاب کی مدد یا پند و نصائح کے لکچروں کے والدین خصوصاً مائیں حلیم، شائستہ اور خلیق انسان اٹھاتی ہیں اور ان کی تربیت کر دیتی ہیں۔

پھر بھی ہر تمدن اور معاشرت پر کچھ ایسے دور بھی آتے ہیں جب ہمیں اپنے کچھ اصولوں میں لچک پیدا کرنی پڑتی ہے، زمانے کی ضروریات کے مطابق چند نئے طریقوں کو بھی اختیار کرنا پڑتا ہے اور اسی سلسلے میں بعض وقت انسان کو کتابوں سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔

موجودہ زمانے کے تقاضوں نے ہمارے تمدن اور معاشرت میں چند تبدیلیاں

کی ہیں۔ رسل و رسائل کے ذرائع کی سہولیت نے، مختلف نسلوں اور تہذیبوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا ہے۔ آئے دن ہمیں غیر ملکیوں اور اجنبیوں سے ربط ضبط رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ بعض وقت ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ اپنے خاص معاشرتی اصولوں میں ہم کو چند ایسے اضافے بھی کرنے پڑیں گے جو دوسری تہذیبوں میں مروج چلے آتے ہیں۔

لیکن سب سے اہم اور قابلِ لحاظ بات یہی ہے کہ ہم خواہ نئی تہذیب کے علم بردار ہوں یا قدیم تہذیب کے، ہم کو آدابِ زندگی اور تہذیب کے اصل جوہر کو مدِ نظر رکھنا چاہیے یعنی کہ دوسروں کے جذبات اور احساسات کا پورا پورا احترام

روزمرّہ زندگی

وہ لوگ جو آدابِ زندگی کو غیر ضروری تکلفات اور چناں چنیں سے تعبیر کرتے ہیں۔ روزمرّہ کے آداب اور طور و طریق زندگی کا نام سنتے ہی ہنس پڑتے ہیں اور اس تصور ہی کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان ہر وقت تکلف کا پتلا بنا رہے اور بے تکلفی کی زندگی کو ترستا رہے۔ تہذیب و شائستگی ہر وقت بوجھ بنی کندھوں پہ سوار رہے۔

مذاق کی بات چھوڑ کر دیکھا جائے تو یہ آداب کے اصول انسان نہ سیکھتا ہے اور نہ یہ جبراً اپنی طبیعت پر مسلط کرتا ہے بلکہ یہ کہ اس کے مزاج میں رچے ہوتے ہیں روزمرّہ کے آداب درسی کتب کے ذریعہ ہمیں نہیں ملتے بلکہ ہمارے لاشعور میں محفوظ چلے آتے ہیں۔ وہ خاص موقع ہماری زندگی میں کبھی کبھی آتے ہیں۔ جب ہم جان بوجھ کر اور طبیعت پہ زور دے کر شائستہ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کسی شخص کی اصل افتادِ طبع، اس کا تہذیبی ورثہ اور خاندانی روایات و مرتبہ اس کی نجی اور روزانہ زندگی ہی سے جانچا جاتا ہے۔

عام طور پر اس سلسلے میں گھر کی بیگمات کو نسبتاً زیادہ مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ صبح سے شام تک ان کی زندگی میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے اور نامعلوم موقع آتے ہیں جو ان کی شخصیت اور ظرف کے لیے آزمائش ثابت ہوتے ہیں۔

بچوں کی پڑوسیوں سے لڑائیاں، ملازموں کی ناقابلِ برداشت باتیں، اور رشتے داروں کی ناگوار حرکتیں، غرض بے شمار باتیں ہوتی ہیں جن سے ایک شائستہ اور مہذب بیگم اس خوش اسلوبی اور متانت سے گزر جاتی کہ دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کون سی بات اس کو ناگوار گزری تھی۔

ایک خاتون کی شائستگی اور تہذیب کی سب سے بڑی علامت اس کا طرزِ تکلم اور اندازِ گفتگو ہوتا ہے۔ گرم گفتاری اور بھدے لب و لہجے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔ زیادہ غصے کی حالت میں جب کہ یہ یقین ہو کہ اس وقت اگر ہم نے زبان کھولی تو ہم کو اپنے لہجے اور الفاظ پر اختیار نہ رہے گا، بہتر یہی ہے کہ خاموشی اختیار کر لی جائے۔

اپنے مخالفوں، ملازموں اور بچوں سے گفتگو کرتے وقت خصوصیت سے دھیمے اور باوقار لہجے میں گفتگو کرنی چاہیے۔

آنے جانے والوں اور رشتے کنبے کے لوگوں سے گئی گزری باتوں اور ان کے ناگوار طریقوں کا ذکر کر کے ان کو طعن و تشنیع اور ملامت کرنی انسان کا وقار کم کر دیتی ہے۔

عورت ہو یا مرد اس کے پیشِ نظر یہ اصول رہنا چاہیے کہ گھر آئے ہوئے شخص کے سامنے ناگوار باتوں کا دہرانا نہ صرف مہمان کی بلکہ آدابِ میزبانی کی بھی توہین ہے۔ اسی طرح کسی کے گھر جا کر جھگڑے قصے اٹھانا اور گذری ہوئی باتوں کا ذکر کر کے ناگوار سی فضا پیدا کرنا اس سے بھی بڑھ کر بدتہذیبی ہے۔

شائستہ گھرانوں میں مہمانوں سے حجت کرنا تو الگ رہا لوگ یہ بھی احتیاط

رکھتے ہیں کہ مہمانوں کی موجودگی میں آپس میں بھی حجت یا ناگوار گفتگو نہ ہو۔ شائستہ لوگ مہمانوں کے سامنے اپنے بچّوں اور ملازموں کو ڈانٹ ڈپٹنے اور فضیحتے کرنے سے باز رہتے ہیں۔

وہ بچّوں اور ملازموں کی بے جا اور نامناسب حرکتوں کے موقع پر یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ یا تو اس وقت بات ہی ٹال جاتے ہیں یا پھر اشارے سے علیحدگی میں جا کر آہستگی سے سمجھا دیتے ہیں۔

بیگمات کے علاوہ شائستہ گھرانوں کے مرد بھی روزمرّہ کی زندگی میں ایک خاص تہذیب اور شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اوقات میں پابندی برتتے ہیں۔ گھر میں پردے دار خاتون مہمان آجاتے تو خواہ پردے کے قائل نہ ہوں، لیکن اس کے پردے کا پورا احترام ضروری سمجھتے ہیں۔ گھر میں مہمان عورتیں ٹھہری ہوئی ہوں تو خواہ وہ آپ کی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ کمروں میں کھنکارے یا دستک دیئے بغیر گھس جانا مناسب نہیں اس لیے کہ عورتیں اس خیال سے بہت گھبراتی ہیں کہ وہ بزرگ اور دوسرے رشتے دار مردوں کو بے تُکے پن سے لیٹی بیٹھی نظر آئیں۔

اسی طرح گھر میں اپنے سے چھوٹوں کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے اور ان کے تخلیے کے اوقات میں وقت بے وقت بزرگوں کی موجودگی مناسب نہیں ہوتی۔

گھر کے بالغ افراد کے علاوہ گھر کے لڑکے لڑکیوں اور بچّوں کو بھی آدابِ زندگی کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔ جس گھر میں ملازموں کی کثرت نہ ہو، وہاں یہ ضروری ہوتا ہے کہ گھر کے لڑکے لڑکیاں کاموں کی تقسیم کرلیں اور اپنی اپنی فرصت اور استعداد کے

مطابق گھر کے کاموں کو انجام دیں۔

گھر میں کوئی بیمار ہو تو اس کی دلداری اور تیمارداری گھر کے ہر فرد کے ذمے ہونی چاہیے اور محض ایک متعلق شخص پر اس کی تیمارداری کا پورا بوجھ نہ ڈال دینا چاہیے۔

لڑکوں کے لیے خصوصیت سے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کالج کے اوقات کے علاوہ باہر رہنے کے اوقات والدین کی سہولیت کے لحاظ سے بنائیں اور دیر تک بلا اطلاع باہر رہ کر ان کو خواہ مخواہ فکرمند نہ کریں۔

روزمرہ کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو زبان اور لب و لہجے کی بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ تلخ کلامی اور ٹیڑھی زبان سے زیادہ ایک شائستہ نظامِ زندگی کے لیے کوئی چیز مہلک نہیں۔ ایک مثل ہے کہ 'کھالو اور نگل لو' ہم معنی لفظ ہیں لیکن ان کے مطالب میں زبردست اور بیّن فرق ہے۔ گفتگو نرم اور دلکش لب و لہجہ میں ہونی چاہیے۔ لیکن اسی قدر احتیاط بھی ضروری ہے کہ لب و لہجہ اور بات میں بناوٹی پن پیدا نہ ہو۔

آپ خواہ گھر میں ہوں یا رشتے داروں سے ملیں یا غیروں میں بیٹھیں، انکساری اور حلیمی سے کام لینا بہتر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اپنی عادات اور طریقوں میں سادگی اور بے تکلفی پیدا کیجیے۔ خود دوسروں کے قریب جائیے اور ان کو اپنے قریب آنے دیجیے۔

کم حیثیت لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی کرنی جس قدر نامناسب ہے اس سے زیادہ نامناسب حرکت یہ ہے کہ صاحبِ ثروت عزیزوں اور

ملنے والوں کے سامنے اپنی کم حیثیتی اور افلاس کا دکھڑا رویا جائے یا ان کو "بڑا آدمی" کہہ کر طعنے دیئے جائیں۔

گفتگو کے دوران میں دوسروں کے حسب نسب اور پیشوں کے متعلق دلآزار باتیں کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

مہذب لوگ خواتین کے سامنے بازاری لب ولہجے میں ناشائستہ قسم کی گفتگو کو معیوب سمجھتے ہیں اور وہ ہمیشہ ایسی گفتگو سے احتراز کرتے ہیں، جو مذاقِ سلیم پر گراں گذرے۔

مختصر طور پر ایک بار اس امر کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آدابِ معاشرت یا تہذیب کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے سے قریب ہو جائے اور اس کے اطوار خاص و عام میں پسندیدہ ہوں۔

میاں بیوی

گھر اور زندگی کی ابتدا میاں اور بیوی ہی سے ہوتی ہے۔ یہی دو شخص مل کر ایک پورے کُنبے کی بُنیاد ڈالتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ان ہی کے تعلقات کا ذکر ضروری ہے۔

شائستہ گھرانوں میں سب سے اوّل جس چیز پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، ہے بیوی اور شوہر کے درمیان مفاہمت یعنی ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت اور جذبہ۔ اور اس سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہوتا ہے

(۱) مثلاً اگر دونوں میں سے کسی میں جسمانی یا اخلاقی نقص موجود ہے تو اس صورت میں دُوسرے فریق کا رویّہ کیا ہونا چاہیے۔

(۲) ایک دوسرے کے والدین اور قریبی رشتے داروں سے کیا سلوک ہونا چاہیے۔

(۳) ایک دوسرے کی سہولت کا خیال کیونکر رکھا جائے۔

ا۔ دونوں میں کسی کی صورت شکل میں کوئی عیب یا نقص ہے تو عقل مند اور شائستہ لوگ اگر ایک بار اس عیب کو تسلیم کر کے ایسے شخص کو اپنا شریکِ زندگی بنا لیتے ہیں تو پھر اس کا ذکر تمام عمر نہیں کرتے اور دوسرے فریق کو یقین دلا دیتے ہیں۔ تمہارا یہ عیب مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض

نہیں - یہی ترکیب ایسی صورت میں کی جاتی ہے جب دونوں میں سے کسی ایک کی خاندانی حیثیت میں کمی ہو۔

۲- ایک دوسرے کے والدین اور قریبی رشتے داروں سے سلوک اور رویّے پر بھی آپس کے تعلقات کا انحصار ہوتا ہے۔ مہذب گھرانوں میں ہمیشہ فریقین کے والدین کا احترام اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح اپنے والدین کا کرتے ہیں بعض وقت یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک فریق کے رشتے داروں کا رویّہ اور عادتیں ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں لیکن اس وقت ان کے متعلق سخت کلامی کرنا یا ان سے گستاخی سے پیش آنا مناسب نہیں۔ ان کے ناقابل برداشت رویّے کا ذکر یا دفعیہ دھیمے پن اور نرمی سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) نظریاتی اختلاف

ہر گھر میں میاں بیوی کے خیالات اور نظریے ایک ہی سے نہیں ہوتے خصوصاً تعلیم یافتہ شوہر اور بیوی میں اکثر نظریاتی اختلاف موجود ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اوّل تو آپس میں ان اختلافات پر بحث نہیں کرتے اور اگر کبھی اتفاقیہ یہ بحث چھڑ جاتی ہے، تو اس کو آخر میں خوشگوار طور پر بند کر دیتے ہیں اور فوراً ہی کسی ایسے دوسرے موضوع پر بات کرنے لگتے ہیں جو دونوں کی مشترکہ دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔

میاں اور بیوی کے دوست

دوستوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ میاں بیوی کے نجی دوست اور دونوں کے مشترکہ دوست۔ مشترکہ قسم کے دوستوں کی تو دونوں ہی طرف سے دلداری اور خاطر داری ہوتی ہے لیکن اصل معاملہ نجی قسم کے دوستوں کا ہوتا ہے۔ میاں کا

فرض ہوتا ہے کہ بیوی کی سہیلیوں پر ناک بھوں نہ چڑھائے اور ان سے اخلاق سے پیش آئے ۔ اسی طرح اچھی اور مہذب بیوی میاں کے غیر دلچسپ دوستوں سے بھی توجہ اور اخلاق سے پیش آتی ہے ۔ ایک بات یہ ہے کہ نہ تو میاں ہی کو لازم ہے کہ بیوی کے ملنے والوں سے خواہ مخواہ بہت بے تکلف ہو جائے اور نہ بیوی کو میاں کے دوستوں سے گھل مل جانا چاہیے ۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ عقلمند اور مہذب گھرانوں میں دوستوں کو دوستوں ہی کی جگہ پر رکھا جاتا ہے اور ان کو اپنی نجی زندگی پر اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے گھرانوں میں کبھی دوستوں کی ذات سے اُلجھنیں اور جھگڑے نہیں پیدا ہوتے ۔

ایک دُوسرے کی سہُولت کا خیال

کسی مہذب گھرانے کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہاں مرد عورت ایک دوسرے کی سہولت کا خیال ضرور رکھیں گے مثلاً جس زمانے میں گھر میں ملازم نہ ہو ان دنوں کوئی مہذب شوہر کبھی اپنے مہمانوں کو مدعو نہیں کرے گا ۔ اسی طرح اگر بیوی یا کوئی بچہ بیمار ہو گا تو وہ وقت بے وقت اپنی فرمائشوں سے گھر والوں کو پریشان نہیں کرے گا ۔ عین کھانے کے وقت بے اطلاع اپنے ساتھ مہمان نہیں لے آئے گا ۔

لیکن اگر کبھی وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو جائے اور کسی مصلحت یا مجبوری کی بنا پر اس کو اس قسم کا بے تکا پن کرنا پڑ جائے تو پھر شریف اور شائستہ بیویاں خندہ پیشانی سے اس کی مجبوری کو تسلیم کرتی ہیں اور اپنے گھر کی عزت کا پورا خیال کرتی ہیں اور مہمانوں کی خاطر داری کرتی ہیں ۔

بچوں اور ملازموں سے بیجا سلوک کے موقع

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر میں کسی ایک کے مزاج کا پارہ چڑھا ہوتا ہے اور میاں یا بیوی میں سے کوئی ایک بچوں یا ملازموں پر بے وجہ اپنا غصہ اتارتا ہے۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں طرفداری کرنا دوسرے فریق کے غصے میں اضافہ بھی کرتا ہے اور پھر اس کی طرف سے بچے کے دل میں فرق بھی آتا ہے۔

ایسے موقع پر یہ کرتے ہیں کہ خود ضبط سے کام لیتے ہیں اور جس پر غصہ کیا جاتا ہے اس کو سمجھا دیتے ہیں کہ "اس وقت انھیں کسی وجہ سے غصہ آگیا ہے، ان کا اصل میں یہ مطلب ہے، تم خیال نہ کرنا" لیکن غصہ دور ہو جانے کے بعد غصہ کرنے والے کو بھی احساس دلا دیتے ہیں کہ "تمھارا غصہ بے جا تھا۔ اب کسی وقت اپنی زیادتی کی تلافی کر لینا۔"

پریشانیاں اور ان کا ذکر

بیماری، اور پریشانی کس گھر میں نہیں ہوتی لیکن شائستہ گھروں کی عورتیں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتی ہیں کہ تھکے ہارے مرد کے گھر میں گھستے ہی اپنا دکھڑا لے کر نہ بیٹھ جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے معاملات کا ذمہ دار اور ان سے دلچسپی لینے والا شوہر سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی وہ یہ لحاظ رکھتی ہیں کہ ایک تھکے ہارے شخص کو جو دفتر کی الجھنوں اور دوسرے کاروباری جھنجھٹوں سے نبٹ کر ابھی ابھی آیا ہے مزید پریشانیوں کے ذکر سے کوفت کا احساس نہ دلائیں بلکہ انھی پریشانیوں کو وہ فرصت کے وقت اتنی خوش اسلوبی سے پیش کرتی ہیں کہ شوہر خود بخود

اس طرف پورے طور سے متوجہ ہو جاتا ہے ۔

ایک دوسرے کے عیوب اور اُن سے دوسروں کی خوبیوں کا تقابل حصے تک

یکجائی کے نتیجے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی خرابیاں اور برائیاں کچھ مبالغے کے ساتھ نظر آنے لگتی ہیں لیکن ان کا ذکر کرنا اور ان کا مقابلہ کسی اور کی خوبیوں سے کرنا ایک بڑی ہی ناشائستہ حرکت ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی بات سے گھر کی ساری فضا مکدّر ہو جاتی ہے ۔ تہذیب یافتہ اور معقول گھرانوں میں اس قسم کی گفتگو سے احتراز کیا جاتا ہے ۔

مہمانوں کے سامنے جھگڑے

جن گھروں میں مہمانوں کی موجودگی میں میاں بیوی کے درمیان کشیدگی اور جھگڑے ہوتے ہیں وہاں جانے سے مہمان گھبرانے لگتے ہیں۔ حالانکہ طریقہ یہ ہے کہ اگر دونوں کے درمیان کوئی اختلاف اور کشیدگی ہو بھی تو مہمان کو دیکھ کر دونوں ہی کو اس کا استقبال خندہ پیشانی سے کرنا چاہیے اور اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دینا چاہیے کہ اس وقت دونوں میں سے کسی ایک کا بھی مزاج برہم تھا۔ مہمانوں کے لیے گھر میں خوشگوار اور اچھی فضا قائم کرنا دونوں کا فرض ہوتا ہے اور ایک مہذب گھرانے کے تمام جھگڑے مہمانوں کی موجودگی میں بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں۔ آنے والے کی سب سے بڑی خاطر یہی ہوتی ہے کہ گھر کا گھر اس کا استقبال خوش دلی اور خندہ پیشانی سے کرے۔

سُسرالی عزیز

مغربی ملکوں میں تو یہ سوال قابلِ غور ہے کہ کیا سُسرالی عزیز زندگی میں اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے تعلقات کے متعلق باقاعدہ عنوانات قائم کئے جائیں لیکن مشرقی ملکوں میں خصوصاً ہمارے پاکستانی گھرانوں میں سُسرالی عزیز زندگی کا ایک بہت اہم موضوع ہیں۔ اس باب میں وہ چند اُصول بیان کئے جائیں گے، جن پر عمل پیرا ہونے سے یہ نازک اور اہم رشتے وبالِ جان بننے کے بجائے خوشگوار بن جاتے ہیں۔ اچھے اور مہذّب گھرانوں میں جہاں یہ دستور ہے کہ بہو اور داماد اپنے سُسرالی رشتے داروں کا احترام کرتے ہیں اور ان کی خوشی یا ناخوشی کا انتہائی لحاظ رکھتے ہیں وہاں یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ سُسرالی رشتے دار بہو اور داماد کے جذبات کا احترام کریں اور ان کے ساتھ خلوص سے پیش آئیں۔

سُسرال کے بزرگ رشتے داروں کو اگر اپنی بہو کی کوئی بات ناگوار گزرتی ہے تو ایسے وقت میں وہ بعض دفعہ تو بات ٹال ہی جاتے ہیں لیکن بات اگر ناقابلِ برداشت ہو تو پھر کسی وقت آہستگی میں بیٹھ کر اُس پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں۔ وہ لڑائی جھگڑے اور طعن تشنیع سے احتراز کرتے ہیں۔

اسی طرح رشتے میں چھوٹے سُسرالی رشتے داروں کے لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھاوج یا بہنوئی سے اس قسم کے مطالبات نہ کریں اور ایسی

توقعات وابستہ نہ کرلیں جن سے وہ بیزار ہونے لگیں۔

عام طور پر شائستہ قسم کے گھرانوں میں سسرالی رشتے دار اپنے داماد اور بہو سے اس درجہ بے تکلف ہوتے ہی نہیں کہ لڑائی جھگڑے اور تو تو میں میں کی نوبت آئے۔ ایک خاص فاصلہ دونوں طرف قائم رہنا چاہیے۔

ایسے رشتوں میں سب سے بڑی سہولت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ایک دوسرے کے جذبات اور مجبوریوں کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

دراصل کسی گھرانے کی بڑائی اور عزت اس کی دولت اور ٹھاٹ باٹ پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ گھر کی عزت خاندان کے افراد کے آپس میں ہمدردانہ اور شائستہ سلوک ہی پر منحصر ہے۔

والدین اور بچے

ماں باپ اور اولاد کے تعلقات میں اگرچہ بڑی بے تکلفی اور یگانگت ہوتی ہے اور ان میں بناوٹی قسم کے تعلقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہی وہ رشتہ ہے جس میں آداب اور شائستگی کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ ماں باپ کو بھی اور اولاد کو بھی آپس کے تعلقات اور روزمرّہ کی زندگی میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔

اچھے اور مہذّب گھرانوں میں سب سے پہلے اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ بچّوں میں ترجیحی سلوک نہ رکھا جائے۔ کسی ایک کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یہ حرکت خاندان کے اتفاق و اتحاد کے لیے بڑی مہلک چیز ہے۔ بچوں میں جب اس قسم کے جھگڑے ہوتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بچّوں پر ہی یہ چھوڑ دیا جائے کہ آپس میں فیصلہ کرلیں۔

مہمانوں کے سامنے بچّوں کو ڈانٹنا گھُرکنا

اکثر یہ اتفاق ہوتا ہے کہ بچّے مہمانوں کی موجودگی میں زیادہ بے کہے اور شریر ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں بچوں کی شرارت کو نظرانداز کردیا جاتا ہے اور دوسروں کے سامنے ان کو مارا ڈانٹا نہیں جاتا۔ اچھے اور شائستہ گھرانوں میں چھوٹے بچّوں کی عزّت اور غیرت کا اسی قدر خیال رکھا جاتا

ہے جس قدر گھر کے بڑوں کا۔

بچوں کی آپس کی کشیدگی کے وقت والدین کا رویہ

شعور آنے اور بلوغت کی عمر میں پہنچ کر اکثر بھائی بہنوں میں شدید اختلافات اور کشیدگی کے موقعے آتے ہیں اور وہ والدین کے سامنے ایک دوسرے کی برائی اور شکایت کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں والدین کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ غیر جانبداری سے ان کی بات تو سن لیں لیکن بچوں پر یہ بھی ظاہر کر دیں کہ ہماری نظر میں سب بچے ایک ہیں اور ان کی برائی سن کر ہمیں خوشی نہیں ہوتی۔

والدین کے نظریئے

بچوں کو شروع ہی سے خبر نہیں ہوتی کہ ان کے والدین کو کیا باتیں پسند ہیں اور کون سی ناپسند۔ ایسی حالت میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ ان کی مرضی اور پسند کے خلاف کوئی حرکت کرتے ہیں تو پھر یا تو والدین ان کو برا بھلا کہتے ہیں یا پھر خاموش ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بچوں کو پاس بٹھا کر بات چیت کریں اور ان پر اپنی پسند اور ناپسند کو ظاہر کر دیں۔

جس طرح والدین کے ذمے بچوں کے آرام و آسائش سے متعلق فرائض ہوتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کے ذمے بھی چند فرائض ہوتے ہیں۔ جن سے وہ گھر میں پُرسکون اور مہذب فضا قائم کر سکتے ہیں۔

(۱) اولاد کے لیے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اپنے اخراجات اور مطالبات

والدین کی حیثیت کے مطابق رکھیں۔ ہر گھر میں کئی بچے ہوتے ہیں اور کسی بھی بچے کی یہ توقع کہ والدین دوسرے بچوں کی ضروریات کو نظر انداز کر کے محض اسی کے شوق اور ضرورت کو پورا کرتے رہیں انتہا درجے کی بد تہذیبی ہے۔ شائستگی اور تہذیب کا تقاضا ہے کہ اولاد جب تک زیرِ تعلیم رہے اپنی ضرورتوں کو محدود رکھے۔

(۲) ماں اور باپ کا ادب لحاظ اور ان کے جذبات کا احترام ضروری ہوتا ہے۔ ہماری مشرقی تہذیب میں اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تہذیب میں چند احتیاطیں بطورِ اصول کے خاص طور پر برتی جاتی ہیں۔ مثلاً:

(ا) والدین کے سامنے فحش قسم کے مذاق اور نازیبا قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔

(ب) بچے ماں کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ ان سے زیادہ نزدیک اور بے تکلف ہوتی ہے، لیکن باپ نسبتاً بچوں سے دُور رہتا ہے اس لیے باپ کے سامنے لڑکے لڑکیوں کو زیادہ ادب تمیز سے رہنا چاہیے۔ اس کی موجودگی میں شور و غل، لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔

(ج) اگر گھر میں ملازم نہیں ہے یا ملازموں کی کمی ہے تو لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ گھریلو کاموں میں اپنی والدہ کی مدد خوشدلی اور دلچسپی سے کریں۔ یہ انتہائی بدتمیزی ہے کہ ماں دن بھر چولھا چکی کرتی رہے اور بیٹی صاحبہ کرسی پر بیٹھی کتابوں کی ورق گردانی یا اپنے بناؤ سنگھار میں مصروف رہیں ـــ اسی طرح گھر کے بڑے

بیٹوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کے آرام اور سہولت کا پورا خیال رکھیں۔

(د) اپنے تعلیمی اوقات کے علاوہ تفریح اور دوسری مصروفیتوں کا پروگرام بناتے وقت بچے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھیں کہ اُن کی یہ مصروفیتیں گھر کے نظام میں گڑبڑ اور کوفت کا سامان نہ پیدا کر دیں۔ والدین اور ان کے بنائے ہوئے نظام اوقات کا احترام کرنا اچھے اور شائستہ گھرانوں میں فرضِ اوّلین خیال کیا جاتا ہے۔

لڑکوں کے لیے خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ مقررّہ اوقات سے زیادہ دیر تک گھر سے باہر یا لاپتہ رہ کر گھر والوں خصوصاً والدین کو غیر ضروری پریشانی میں مبتلا نہ کریں۔ اگر کسی وجہ سے تاخیر سے آنا اور گھر سے باہر رہنا ناگزیر ہے تو اس کے متعلق پہلے سے والدین کو مطلع کر دینا چاہیے تاکہ وہ انتظار اور وہم کی کوفت سے محفوظ رہیں۔

(س) جب تک لڑکا اور لڑکی خود مختار نہیں ہوتے اور والدین کے ساتھ منسلک رہتے ہیں۔ اس وقت تک ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ گھر کے ملازمین پر ڈانٹ پھٹکار کریں اور ایسی سختی روا رکھیں جس سے وہ بددل ہو جائے۔ مہذب گھرانوں میں ملازمین کی بدعنوانی پر بیٹا بیٹی براہِ راست خود تنبیہہ کرنے کے بجائے والدین کی توجہ اس طرف مبذول کرلیتے ہیں بلکہ یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ اگر والدین کسی مصلحت سے ملازم کی گستاخی یا بدعنوانی کو نظر انداز کر گئے ہیں تو ان کو مجبور نہ کریں کہ وہ ضرور ہی ملازم کو لعنت ملامت کریں۔

(ص) والدین کے پسندیدہ ملنے والوں اور رشتے داروں کا احترام کرنا

بھی اولاد کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر کسی بنا پر وہ اولاد کو ناپسند ہیں یا وہ ان کے ہم خیال نہیں۔ تب بھی ان کے ساتھ ادب اور شائستگی سے پیش آنا ضروری ہوتا ہے۔

جس طرح اولاد کو اپنے والدین کے جذبات کا احترام کرنا لازم ہے۔ وہ اسی طرح والدین بھی چند باتوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مثلاً:

اولاد جب بڑی ہو جاتی ہے تو والدین اُس کی پسند اور رائے کو اہمیت دینے لگتے ہیں اور یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ گھر میں کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے ان کے بیٹے یا بیٹی کو صدمہ پہنچے اور وہ یہ سوچنے لگے کہ اس گھر میں میری اہمیت ہے ہی نہیں۔ عام طور پر یہ طریقہ ہوتا ہے کہ باپ اپنے کاموں میں بیٹے سے مشورہ لینے لگتا ہے اور ماں اپنی بیٹی سے ہر بات میں رائے لینا شروع کر دیتی ہے۔ اس طرح گھر کی فضا خوشگوار بنالی جاتی ہے۔ دوسری اہم بات جس کا خیال رکھا جاتا ہے یہ ہے کہ والدین اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ عمر اور وقت کے ساتھ ساتھ ہماری اولاد کے معمولات اور مصروفیتوں میں فرق آتا رہتا ہے اور وہ ہمارے بنائے ہوئے ان اوقات اور پابندیوں پر زیادہ عرصے تک کاربند نہیں رہ سکتے جو ان کے لیے بچپن کے زمانے میں وضع کیے گئے تھے۔ چنانچہ وہ رفتہ رفتہ ان کو آزادی ملتی جاتی ہے اور ان کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح بچے آئندہ کی ذمہ دارانہ زندگی کو بیک وقت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

نصیحت بچوں کی عمر کے ساتھ ساتھ نصیحت اور تربیت کا پیرایہ اور انداز بھی بدلتا رہتا ہے۔ مہذّب خاندانوں میں نصیحت اور تربیت کے جارحانہ انداز سے ہمیشہ گریز کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس سے گھر میں ناگواری اور بدمزگی پھیلنے کے علاوہ لڑکے لڑکیوں کے ذہنوں پر بھی بے حد خراب اثر پڑتا ہے۔

آخر میں مختصر طور پر اس بات کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ والدین اور اولاد کے رشتے میں محبت بے شک فطری اور لازوال جذبہ ہے لیکن بے اصول اور ناشائستہ طرزِ زندگی میں محبّت اکثر نفرت، حقارت اور شکایتوں سے بدل جاتی ہے ــــ اس لیے ضروری ہے کہ ان تعلقات کو برتنے میں اصولوں سے محض جذباتیت کی بنا پر انحراف نہ کیا جائے۔

مُلازمین

ملازمین بھی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کو ہم اپنی زندگی سے کسی طرح بھی علیحدہ نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ خیال محض خام ہے کہ نوکروں سے لحاظ اور قاعدہ کیا برتنا۔ دراصل کسی شخص کی اصل شرافت اور تہذیب پر آخری مہر مُلازم ہی لگاتا ہے۔ ایک انگریزی مثل ہے کہ صرف اُسی شخص کو معزز کہا جا سکتا ہے جو اپنے ملازم کی نظر میں مُعزز ہو۔

ہماری مشرقی تہذیب میں ملازمین کے ساتھ ایک خاص رکھ رکھاؤ برتا جاتا ہے اور ہماری تہذیب میں ملازم کا ایک خاص مقام ہے خصوصاً مسلمان گھرانوں میں تو مذہباً اپنے خدمت گار کے جذبات کا احترام اور اس کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

[illegible] طرح کے ہوتے ہیں۔ قدیم اور نئے۔

قدیم ملازموں کا یہ ہے کہ وہ خاندان کے افراد میں شامل سمجھے جاتے ہیں کسی اوران کی شادی و غمی، مرنے اور جینے سے متعلق فرائض آقاؤں اور ان کی اولاد کو پورے کرنے پڑتے ہیں۔ قدیم ملازمین کو پورا پورا حق ہوتا ہے کہ وہ گھر کے بچوں یا نوجوانوں کو ان کی غلط حرکتوں پر روک ٹوک کریں۔

سفر سے واپسی پر خاندان کے دوسرے افراد کی طرح قدیم ملازمین کے لیے

بھی چھوٹے موٹے تحفے لانا ضروری ہوتا ہے اور گھر کے بچے کبھی یہ جرأت نہیں کرتے
کہ ان ملازمین سے گستاخی یا سختی سے بات کریں۔ اگر بچے اور بڑے خاندانوں میں تو
اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ پرانے ملازموں کی اولاد کی تربیت اس
طرح کی جائے کہ وہ کم حیثیت ملازم نظر نہ آئیں اور کم از کم اتنی تربیت و تعلیم ضرور
حاصل کرلیں کہ اپنے ماں باپ سے بڑھ جائیں اور اپنے قدموں پر کھڑے ہوجائیں۔

پرانے ملازموں کے علاوہ نئے ملازموں کے جذبات کا احترام بھی ضروری ہوتا
ہے۔ ہر وقت ان سے بدگمان رہنا، بلا دیکھے سوچے ان پر الزام لگانا، یا پھر ذرا ذرا سی
بات پر ان سے ناراض ہونا اور بدکلامی کرنا نازیبا باتیں سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی تھوڑی
بہت خطا کو پی جانا بہتر اور مناسب بات ہے۔

اگر نوکر کی حرکتیں ناقابل برداشت ہیں تو فضیحتے اور جھک جھک کرنے کے
بجائے اس کا خاموشی سے حساب کر دینا چاہیے۔

جس طرح آئے گئے کے سامنے بچوں کو لعنت ملامت کرنا ناپسندیدہ
فعل ہے اسی طرح ملازموں کی بدگوئی کرنا یا سب کے سامنے ان کو باتیں سنانا
بھی نامناسب حرکت سمجھی جاتی ہے۔

ذرا ذرا سی چیز پر نظر رکھنا اور نوکر سے پائی پائی اور رتی رتی چیز کا حساب لینا
بھی نہایت چھچھوری بات سمجھی جاتی ہے۔ مالک کو ملازموں کے سلسلے میں فراخ
دل، چشم پوش اور خطاپوش ہونا چاہیے۔

گھر کے ملازمین کی بدحالی، بوسیدہ اور غلیظ لباس مالک کی سخت دلی اور
بدتمیزی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے شائستہ گھرانوں میں نوکروں کی جسمانی صفائی

اور ان کے لباس کی حیثیت کی طرف خاص طور پر توجہ دی جاتی ہے۔

نہ نوکر سے اس درجہ بے تکلف ہونا مناسب ہے کہ وہ مالک کو جوتی میں ڈال کر پہن لے اور نہ اس حد تک غیر متعلق رہنا چاہیے کہ اُس کے حال کی خبر ہی نہ ہو۔ گھر کی بیگم کو خاص طور پر ملازموں کی دلجوئی اور غمگساری کرنی چاہیے لیکن اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے۔

جس طرح مالکوں پر نوکروں سے متعلق فرائض ہوتے ہیں۔ اسی طرح نوکروں کو بھی چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً گھروں میں دس قسم کی اچھی بری باتیں ہوتی ہیں جن کو گھر کے ملازمین سے نہیں چھپایا جا سکتا ہے۔ اب ملازم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ان باتوں کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ گھر میں اگر مختلف رشتے دار رہتے ہیں تو ایک کی بات دوسرے سے نہ کرے۔ گھر کے مالک کی مروت اور رعایت سے بے جا فائدہ نہ اٹھائے مثلاً وہ اگر اس کی دو چار آنے کی چوری کو نظر انداز کر جاتا ہے تو اس کو بے وقوف ہی نہ سمجھ بیٹھے اور اس کو لوٹنے پر ہی کمر بستہ نہ ہو جائے۔ مالک کی نرم اور سلجھی ہوئی بات کے ٹیڑھے اور گرم جواب نہ دے۔ ان باتوں سے نہ صرف مالک کی طبیعت مکدر ہوتی ہے بلکہ اپنا مستقبل بھی تباہ ہوتا ہے۔

جس طرح مالک کی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے اسی طرح ملازم بھی اپنی عزت کا بڑی حد تک خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اچھے اور شریف طبیعت کے ملازم کبھی اس راہ نہیں چلتے جس میں ان کی بے عزتی ہو۔

ہمسائے

"حق ہمسایہ ماں کا جایا" برصغیر کے مسلمان شرفاء کے یہاں یہ ایک عام مثل ہے۔ ایشیائی تہذیب میں عموماً اور اسلامی تہذیب میں خصوصیت سے ہمسایے کے متعلق آداب اور حقوق پر زور دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے یہاں معاشرتی زندگی کے اس پہلو پر جتنا زور دیا گیا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمسائے کے حقوق اس درجہ ہیں کہ کوئی عجب نہ ہوتا اگر ہمسائے کو وراثت میں بھی حقوق مل جاتے۔ اور در اصل ہے بھی یہ کہ کسی کا ہمسایہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں اب پڑوسیوں کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ معقول اور مہذب لوگ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے اپنے پڑوسی کو نہیں بھولتے مثلاً اگر کسی کے گھر میں بڑی خوشی اور ہنگامے کا موقع ہے لیکن پڑوسی کے گھر میں کوئی شخص شدید طور پر بیمار رہتا ہے تو ایسے موقع پر خوش ہونے والے اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں کہ ان کے گھر کا ہنگامہ اس مریض کو تکلیف نہ پہنچائے۔

پڑوس میں بیمار کی نہ صرف عیادت ہی کرنا ضروری ہوتی ہے بلکہ تمام ہمسایوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ وقت نکال کر اپنے اپنے طور پر تیمارداروں کا ہاتھ بٹائیں اور ان کی تسلی اور تشفی کی کوشش کریں۔

شادی اور خوشی کے موقعے

شادی اور خوشی کے موقع پر ہمسایوں کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسی کی خوشی میں پورا حصّہ لیں۔ اگر شادی کا موقع ہوتا ہے تو عورتوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جہیز اور بری کے کپڑوں کی تیاری کے لیے اپنی خدمات پیش کریں۔ ہمارے تمدن میں یہ ایک خاص بات ہے کہ بیٹی کے جہیز میں رشتے داروں سے زیادہ محلے پڑوس کے لوگ مدد دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ اسی طرح براتوں، دعوتوں اور پارٹیوں وغیرہ کے موقعوں پر گھر سے نزدیک ترین پڑوسیوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ گھر والوں کے ساتھ انتظام اور کام کاج میں حصّہ لیں، اور مہمانوں کی خاطر تواضع گھر والوں کی طرح کریں۔

جہاں پڑوسی اپنی خدمات پیش کرتے ہیں وہاں گھر والوں کے لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان کے خلوص اور اخلاق کی قدر کریں اور ان کو اپنے گھر کے افراد کی طرح اپنی خوشی میں شریک رکھیں۔

موت اور غمی

یوں تو موت اور غمی ایسی چیز ہے کہ راہ چلتے بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن ہمارے یہاں خصوصاً اس چیز کا سخت احترام کیا جاتا ہے۔ مثلاً دیوار بیچ اگر موت ہو جاتی ہے تو دوسرے گھر میں بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھایا جاتا جب تک کہ مُردہ دفن نہ کر دیا جائے۔

گھر والے تو اس وقت اپنے غم کی شدت میں بے ہوش سے ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں پڑوسیوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی دیکھ بھال کے علاوہ تجہیز و تکفین میں ان کا پورا ساتھ دیں اور تعزیت کے آنے جانے والوں کے اُٹھنے بیٹھنے کا خیال رکھیں۔

جنازہ اُٹھنے کے بعد پڑوسیوں ہی کو غمی والے گھر میں کھانا پہنچانے کی فکر کرنی ہوتی ہے۔ پڑوسی کے فرائض یہیں تک ختم نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ مدت، کم سے کم دس پندرہ دن تک لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اپنے گھر میں راگ رنگ کی محفلیں یا کوئی بڑی تقریب نہ برپا کریں، اور اپنے ہمسائے کے غم کے احترام کے طور پر اتنے دن تک ریڈیو پر موسیقی وغیرہ بھی اونچی آواز سے نہ لگائیں۔

پڑوسیوں کے مُلازم

پڑوسیوں کے ملازموں سے کیا رویہ ہونا چاہیے۔ یہ ایک ضروری اور اہم مسئلہ ہے اپنے ہمسائے کے نوکر سے کبھی دوستی نہ بڑھائیے۔ اس سے کوئی کام بھی اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہ لیجئے اور اُس کے مالک کو گھریلو اور نجی معاملات کے متعلق اس سے کبھی نہ سوال کیجئے، نہ اس پر گفتگو کیجئے۔ اگر آپ کو پڑوسی کے نوکر سے کوئی شکایت ہے تو خود ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے اس کے مالک سے اس کی شکایت کیجئے۔ جہاں تک ممکن ہو نوکروں کی زبانی ہمسائے کو پیغام سلام مت دیجئے۔

اگر آپ کا پڑوسی اپنے ملازم کو نکال دیتا ہے تو اوّل تو اُسے رکھیے ہی نہیں اور اگر مجبوری ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ نوکر کے سامنے ہی اُس کے سابق مالک سے پوچھ لیں کہ آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا اور آپ کو اس سے کیا شکایت تھی۔

اگر آپ کے پڑوسی کے پاس ملازم نہیں ہے تو آپ اپنے ملازم سے خود کہہ دیں کہ جب تک ان کے پاس آدمی نہیں ہے ان کا سودا وغیرہ لا دیا کرو،

ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔

پڑوسیوں کے بچّے

کوشش کیجئے کہ آپ کے بچّوں میں اور پڑوس کے بچّوں میں دوستی رہے اور اگر آپ کسی بنا پر ان کو پسند نہیں کرتے ہیں تو پھر اپنے بچّوں ہی کو فرصت نہ دیجئے کہ وہ ان میں گھل مل سکیں۔

اگر آپ کے پڑوسی کا بچہ کوئی نامناسب اور بے جا حرکت کرتا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ اس کو آہستگی سے ٹوکیں اور تنبیہہ کریں یا پھر اس کے والدین کو بتادیں کہ اپنے بچّے کو تنبیہہ کریں۔

دو ہمسایوں میں نہ تو نفاق ڈلوانے کی کوشش کیجئے نہ ایک سے دوسرے کی بُرائی کیجئے۔

اب اس دور میں ایک مُشکل یہ آپڑی ہے کہ ہمارے ہمسائے ہمارے ہم قوموں کے علاوہ غیر ملکی لوگ بھی ہونے لگے ہیں اور ان سے ہم وہی سلوک نہیں کرسکتے جو اپنے ہم قوم ہمسایوں سے کرسکتے ہیں۔ اُن کی قدریں اور طرزِ زندگی دوسری قسم کا ہوتا ہے۔

غیر ملکی خصوصاً یورپین لوگ زیادہ گھُلنا ملنا پسند نہیں کرتے اور یہ درست بھی ہے۔ جب ہم ان کے رسم و رواج اور طرزِ زندگی سے بخوبی واقف نہیں تو بہتر یہ ہے کہ باہم تکلف اور اختلاط سے ملیں اور اس کے چند طریقے یہ ہیں جب کوئی نیا غیر ملکی پڑوس میں آکر بستا ہے تو آپ کسی مناسب وقت اس کے یہاں جاکر ملاقات کر آیئے۔ اگر وہ جواب میں ملنے آتا ہے تو راہ و رسم برقرار رکھیے۔

یعنی کبھی کبھار دس پانچ منٹ کو ہو آئیے۔ غیر ملکیوں کے یہاں اپنے بچے اس وقت تک نہ لے جائیے جب تک کہ وہ یا ان کے بچے فرمائش نہ کریں۔ گفتگو میں محتاط رہیے۔ شخصی اور نجی باتوں اور سوالوں سے گریز کیجئے۔ اگر وہ آپ کو کھانے یا چائے پر بلاتا ہے تو پھولوں کا گلدستہ یا ایسی کوئی چھوٹی موٹی سی چیز تحفے کے طور پر اس کے لیے لے جائیے۔

ایک اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ غیر ملکی لوگوں کے رہن سہن اور چلن سے مرعوب یا متاثر ہونے کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔ ان سے برابری سے ملئے اور ان کو اپنی تہذیب اور طرزِ تمدّن سے ضرور روشناس کرائیے۔ مثلاً یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر آپ کسی غیر ملکی ہمسائے کو بلائیں تو اس کو اسی کے ملک کا کھانا کھلائیں۔ ظاہر ہے کہ جب وہ اپنی دعوت میں ہمیں پلاؤ زردہ نہیں کھلاتے تو ہم کیوں اس کوشش میں رہیں کہ ان کو ان ہی کا کھانا پیش کریں۔ گویا ہمارا اپنا کھانا اس قابل نہ تھا۔ اگر آپ کے گھر میں دسترخوان پر کھانا ہوتا ہے تو کوشش یہ کیجئے کہ اپنے غیر ملکی مہمان کو بھی دسترخوان سجا کر ہی کھانا کھلائیے۔

غیر ملکی پڑوسی زیادہ آمد و رفت، خلوص اور تکلف کے عادی نہیں ہوتے۔ وہ اگر آپ کو راستے میں ملتے ہیں اور آپ ان سے سلام دُعا کر کے بات کرنے رُک جائیں تو ان کو بُرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری راہ کھوٹی کر رہا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ راستے میں ملتے ہیں تو ان کی طرف شناسا سا نظریں اُٹھائیے اور آہستہ سے مُسکرا دیجئے اور بس اپنی راہ لیجئے۔

لین دین عام طور پر لین دین یا مانگا تانگا بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے اور

ہے بھی یہی کہ ہر وقت پڑوس والوں سے بہ دے دو وہ دے دو کرنا بھی جھگڑے اور کشیدگی کا باعث ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ضروریات کا تابع نہ بنائیے اور جو چیز گھر میں موجود نہ ہو اس کے بغیر ہی کام چلانے کی عادت ڈال لے۔ لیکن بعض وقت کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو مجبوراً مانگنی پڑجاتی ہیں۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ مانگی ہوئی چیز کو انتہائی احتیاط سے استعمال کریں اور جلد سے جلد واپس کر دیں۔ چیز مانگنے یا نہ مانگنے کا اختیار دوسرے کو بھی ہے لیکن اگر کسی وقت کوئی چیز آپ سے مانگتا ہے تو خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے دے دیجئے۔ چیز مانگنے والے کو فضول میں شرمندہ نہ کیجئے، نہ اس کی ضرورت پر ٹکا سا جواب دیجئے۔ بعض لوگ تفریحاً اور عادتاً چیزیں مانگتے ہیں۔ یہ بڑی بُری چیز ہے اور چند چیزیں تو کبھی مانگنی ہی نہیں چاہیے۔ مثلاً کسی سے زیور، گھڑی ریڈیو، گراموفون یا قلم مانگنا ہی نہیں چاہیے۔ اسی طرح اپنے پڑوسیوں کی گاڑی مانگنا بھی سخت حماقت اور بدتہذیبی میں داخل ہے۔

پالتو جانور اور ہمسائے

جانور پالنے کے بھی آداب ہوتے ہیں اگر آپ کے گھر میں کتا، بلی، مرغی، بکری یا ایسی قسم کا کوئی جانور پلا ہوا ہے جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے تو اس بات کی احتیاط رکھیئے کہ ہمسائے کو اس کی ذات سے تکلیف نہ ہو۔ مثلاً اپنی مرغیاں اس طرح نہ چھوڑ دیجئے کہ وہ ہمسائے کے گھر میں گندگی اور نجاست پھیلاتی پھریں، ان کے پودوں اور کیاریوں کو کرید کرید کر ناس کرتی رہیں۔ اسی طرح اس بات کی احتیاط رکھیئے کہ آپ کی بکری کسی پڑوسی کا باغ خراب نہ کرے

بلّی اور کتّا بھی اس طرح پالیئے کہ دوسروں کے لیے باعثِ تکلیف نہ بن جائیں۔ اگر آپ کا جانور کسی کا نقصان کرتا ہے تو آپ اس سے معذرت کر کے آیندہ کے لیے احتیاط کرنے کا وعدہ کیجئے۔

پالتو جانوروں میں سب سے زیادہ کتّا پالنے والوں کو چند آداب مدِّنظر رکھنے چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ آپ کا کتّا پاس پڑوس والوں سے مانوس ہو اور ان پر قطعی نہ بھونکے۔

دوسری یہ بات ہے کہ جیسے ہی کتّے میں وحشت اور جنون کے آثار نظر آئیں فوراً اس کو باندھ دیجئے اور اگر کچھ زیادتی معلوم ہو تو قبل اس کے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے اس کو ختم کر دینا چاہیے یا اس کا علاج کرانا چاہیے۔ اگر آپ کا کتّا تندرستی کی حالت میں بھی کسی کو کاٹ لے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ فوراً اس شخص کے انجکشن وغیرہ لگوانے کا خود انتظام کیجئے۔ یہ نہ ہو کہ آپ کا کتا کسی کو کاٹ کر الگ ہو جائے اور وہ غریب انجکشن لگوانے پر پیسہ اپنا خرچ کرے۔ ایسے ہسپتال آبادی سے دُور ہوتے ہیں، اگر آپ کے پاس سواری ہے تو پھر یہ آپ کا فرض ہے کہ جتنے دن اس شخص کے انجکشن لگتے ہیں آپ اس کو ہسپتال تک پہنچایئے ورنہ پھر اس کے اخراجات ادا کیجئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص خود ہی یہ سہولت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ اسی طرح دوسرے پڑوسیوں کے لیے بھی لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے جانور سے اگر واقعی محبت نہ کریں، تو کم از کم اس کی خاطر اس کے جانور سے نرمی کا برتاؤ ضرور کریں۔ بہت معمولی اور چھوٹے نقصان کو نظرانداز کر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ البتہ بڑے یا متواتر نقصان پر مالک کی

توجہ اس طرف نرمی اور آہستگی سے مبذول کرا دینی چاہیے۔

محفلوں میں پڑوسیوں کے ساتھ سلوک

آپ کی محفلوں اور تقریبات میں اگر آپ کا پڑوسی شریک ہوتا ہے تو آپ اس کو یہ سمجھ کر نظر انداز نہ کر جائیے کہ یہ تو روز کا ہی آنے جانے والا ہے بلکہ اس کی خاطر داری اور تواضع پورے طور پر کیجیے۔ بے تکلف پڑوسی اس کے محتاج نہیں ہوتے کہ آپ ان کے لیے گاؤ تکیے اور مسندیں پیش کریں لیکن وہ آپ کی پُرخلوص توجہ ضرور چاہتے ہیں۔ یہ احتیاط اس وقت اور بھی ضروری ہوتی ہے جب آپ کا ہمسایہ حیثیت میں آپ سے کم تر ہو۔ یاد رکھئے دوسرے احباب اور دُور پر رہنے والے عزیزوں سے زیادہ اہم آپ کا ہمسایہ ہوتا ہے۔ وہ آپ کا بہترین رفیق اور دُکھ درد کا ساتھی ہوتا ہے۔ خواہ آپ کی محفل میں کتنے ہی اہم اور دلچسپ احباب کیوں نہ جمع ہو۔ اپنے ہمسائے کی اہمیت مت بھولیے۔ ہماری تہذیب و تمدن میں ہمسائے کا رشتہ بڑا مقدس، بہت اہم اور مضبوط ہوتا ہے۔

اپنے غیر ملکی احباب اور غیر مہذب پڑوسیوں کی دیکھا دیکھی آپ بھی اپنے ہم وطنوں اور ہم جنسوں سے بے تعلقی کی ان حدوں کو نہ اختیار کرلیں کہ اگر کوئی تنہا اور غیر اہم انسان اپنے کسی کمرے میں مرا پڑا ہے تو دنوں آپ کو یہ بھی احساس نہ ہو کہ آخر وہ شخص کیوں نہیں نظر آیا۔ یہ رجحان بالکل غلط ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر پہلو اور اقدار میں غیر ملکیوں کی تقلید کریں۔ ہماری تہذیب زیادہ قدیم ہے اور اس کے بعض پہلو زیادہ خوشگوار اور قابلِ عمل ہیں۔

ہمسائے میں آمد و رفت

پڑوس میں ہر وقت کا آنا جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ زیادہ ربط ضبط جھگڑے اور شکایتوں کا باعث بنتا ہے۔ لیکن اپنے پڑوسیوں سے متعلق رہنے کے لیے ضروری ہے کہ کبھی کبھار آتے جاتے رہیں۔ اس کے بھی چند اصول ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ اپنے ہمسائے کے گھر اس وقت جائیے جب اس کو فراغت ہو یا پھر وہ آپ کی ضرورت محسوس کر رہا ہو۔

(۲) ملاقات کا وقفہ طویل نہ ہو تو بہتر ہے۔ یہ خیال رکھیے کہ آپ کی طویل نشست اس کے ضروری کاموں میں حارج ہو گی۔

(۳) جب آپ کے ہمسائے میں ان کے عزیزوں اور رشتے داروں کا مجمع ہو تو اس وقت جانے سے گریز کیجیے۔ ممکن ہے اس وقت وہ آپس میں کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہوں اور آپ کی موجودگی اس بات میں مانع ہو۔

(۴) یوں تو آنے جانے میں احتیاط رکھیے لیکن ایسے وقت میں جب کہ پڑوسی آپ کی تسلی اور رفاقت کی ضرورت ہو تو کام حرج کر کے بھی اس کے پاس جائیے اور اس کی ہر طرح دلجوئی کیجیے۔ ایک بات کا لحاظ اور بھی ضروری ہے آپ اپنے پڑوسی سے یہ مت توقع کیجیے کہ وہی آپ کے دوڑ دوڑ کر آتا رہے اور آپ اس کے گھر جانا کسرِ شان سمجھیں۔ اگر دو مرتبہ وہ آتا ہے تو آپ عدیم الفرصتی کے باوجود ایک مرتبہ تو ضرور جائیے۔ اپنے پڑوسیوں سے غرور اور کشیدگی رکھنا حسنِ اخلاق میں شامل نہیں ہے۔ باہر کی دنیا میں انسان کتنا ہی خلیق اور مہذب بنتا پھرے لیکن اس کی کسوٹی اس کے ہمسائے ہی ہوتے ہیں۔

مہمان اور میزبان

مہمانی اور میزبانی انسانی محبت اور رشتوں کو استوار کرتے ہیں۔ لیکن اگر مہمان اور میزبان ضروری آداب سے ناواقف ہوں تو پھر یہ چیز عذاب بن جاتی ہے۔ مہمانی کے اصولوں کی پابندی بڑی ضروری ہے۔

مہمانی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مہمانی تو وقتی اور ہنگامی ہوتی ہے، دوسری اقامتی مہمانی ہوتی ہے۔ جب آپ کسی کے یہاں جا کر کئی دن رہتے ہیں۔

پہلے وقتی اور ہنگامی قسم کی مہمانی کو لیجئے:

(۱) سب سے پہلا اصول تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ جس کے یہاں جا رہے ہیں وہ اس وقت آپ کی میزبانی کرنے کے موڈ اور حالت میں ہے بھی یا نہیں۔ بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ آپ پہلے سے اطلاع دے دیں یا وقت مقرر کر لیں۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ اگر میزبان آپ سے بہت زیادہ بے تکلف نہیں ہے تو وہ اس اثنا میں اپنے گھر کو ٹھیک ٹھاک کر لے گا اور خود بھی لباس وغیرہ سے درست ہو کر آپ کی خاطر تواضع کے لیے تیار ہو جائے گا۔

(۲) کسی کے یہاں جا کر وہاں سے واپس آنے کا ایک مشہور اصول تو یہ ہے کہ آمدن بہ ارادت رفتن بہ اجازت، اور یہ ہے بھی صحیح۔ آپ جلد اُٹھ جائیں، یا

میزبان کے اصرار پر دیر سے اُٹھیں اس کی اجازت ہی سے اُٹھیں گے لیکن پھر بھی موقعہ اور محل دیکھ کر ہی وقت ملاقات کو ختم کرنا یا طول دینا مناسب ہوتا ہے۔ اگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے میزبان کے یہاں اچانک ہی باہر سے لوگ اُتر آئیں تو اس وقت بہتر ہے کہ آپ اجازت لے کر وہاں سے چل دیں تاکہ آپ کا میزبان اپنے پردیسی مہمانوں کے ٹھہرنے اور آرام کا بندوبست کر سکے۔

(۳) اگر آپ کسی کے یہاں بغیر ارادے اور اطلاع کے پہنچ گئے ہیں اور آپ کے میزبان کہیں جانے کو تیار کھڑے ہیں تو یا تو فوراً واپس چلے آیئے اور اگر وہ روکتے ہیں تب بھی جلد ہی اُٹھ آیئے۔

میزبان کے فرائض

میزبان کو بھی کچھ اصول مدِ نظر رکھنے چاہئیں:

(۱) ملاقاتی کو منتظر بٹھا کر اپنے بناؤ سنگھار میں نہ لگ جانا چاہیے۔ گھر میں ہر شخص ہی سادگی سے اور بلا تکلف رہتا ہے۔ اپنے مہمان کو منتظر بٹھانے کے بجائے جلد سے جلد اس کی پیشوائی کرنی چاہیے۔

(۲) نیز گرمی کے زمانے میں کسی باہر سے آنے والے سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کچھ پئیں گے اور کیا پئیں گے۔ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مشروبات ضرور اور خود ہی پیش کرنے چاہئیں۔

(۳) آنے والے کو اس امر کی توقع رہتی ہے کہ اس کا استقبال گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے کیا جائے۔ اگر اس کا استقبال سرد مہری اور چڑھے تیوروں اور خشک انداز میں کیا جاتا ہے تو وہ آکر پشیمان ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ آنے والے کی ذات سے آپ کو دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن اب اگر وہ آ ہی گیا

ہے تو اس سے خندہ پیشانی سے ملیے۔

(۴) ملاقاتی کے ساتھ گفتگو میں برابر کا حصّہ لینا چاہیے۔

(۵) ملاقاتی اگر شوہر کا جاننے والا ہے اور محض اسی کے پاس کسی کام سے آیا ہے تو بیگم کو اس کا اِستقبال کرنے اور گفتگو میں حصّہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کی مناسب خاطر کرنا مثلاً چائے، شربت، پان الائچی وغیرہ بھجوانا یا خود پیش کرنا ضروری ہے۔ محض کاروباری قسم کے ملاقاتیوں کی جو ہر وقت ہی کسی نہ کسی کام سے آتے رہتے ہیں خاطر مدارات نہیں کی جاتی۔ اگر گھر کے مرد خود ہی فرمائش کریں تو ملازمین یا بچوں کے ذریعہ ایسے ملاقاتیوں کو چائے وغیرہ بھجوائی جا سکتی ہے۔

(۶) بچوں کو ملاقاتیوں کے سامنے کم سے کم آنے دیجیے۔ جس وقت وہ انھیں پوچھیں یا ملنے کی خواہش ظاہر کریں صرف اسی وقت انھیں بُلائیے۔

(۷) نوکروں سے حساب کتاب یا بچوں پر روک ٹوک ملاقاتیوں کے سامنے مت کیجیے۔

(۸) ملاقاتی کو رخصت کرنے دروازے تک جائیے اور اس کو پھر آنے کی دعوت دیجیے تاکہ اس کو یقین ہو سکے کہ اس کا آنا آپ کو ناگوار نہیں گزرا۔

(۹) ملاقاتی کے ساتھ بچے یا ملازم ہوں تو اہلِ خانہ کا فرض ہے کہ ان کی طرف بھی متوجہ رہے مثلاً اس بات کی خبر رکھیے کہ ملازم ٹھیک سے

بٹھا دیا گیا اور اگر مہمان کو کھانا وغیرہ کھلایا ہے تو اس کے ملازم کو بھی کھانا وغیرہ دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح میزبان کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ملاقاتی کے ساتھ کے نیچے کی طرف بھی پوری توجہ دی جائے اسے بھی پیش کی جانے والی چیزوں میں باقاعدہ حصہ ملے۔

(۱۰) غیر اور رشتہ دار ملاقاتیوں کی خاطر تواضع میں کچھ تھوڑا سا فرق ہوتا ہے، ان سے رسمی انداز اور غیر ضروری تکلفات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رشتے دار مہمانوں سے پیش آنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ یہ محسوس کرسکیں کہ جس محبت سے وہ آپ سے ملنے آئے تھے اسی خلوص اور بے تکلفی سے آپ نے ان کا استقبال کیا ہے۔

(۱۱) جس طرح غیر اور رشتے دار ملاقاتیوں سے ملنے کے انداز میں فرق ہوتا ہے اسی طرح غیر ملکی اور ہم وطن ملاقاتیوں میں بھی تھوڑا سا فرق رکھا جاتا ہے۔ مثلاً غیر ملکی ملاقاتیوں کی تواضع کافی، چائے، اور ہلکے قسم کی مشروبات سے کی جا سکتی ہے۔ ان کے سامنے میزبان خصوصاً بیگم کو لباس وغیرہ احتیاط سے پہن کر آنا چاہیے۔ مغربی لوگ حسن اخلاق اور فطری خوبیوں سے زیادہ انسان کے دکھاوے کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کو یہی توقع رہتی ہے کہ ان کا میزبان خوش وضع اور خوش لباس ہو۔ اگر کوئی شخص مہمان کے سامنے برے لباس اور بڑھی ڈاڑھی کے ساتھ آتا ہے تو اس کا مطلب ہے اسے مہمانوں خصوصاً مہمان خواتین کا پاس لحاظ نہیں۔

غیر ملکی مہمانوں سے گفتگو کا انداز بھی محتاط رکھیے۔ ان سے کم سے کم

شخصی اور ذاتی سوالات کیجیے۔ اپنی گفتگو میں بردباری سے کام لیجیے۔ان کو اس بات کی ہمت مت دلائیے کہ وہ آپ کے روبرو آپ کی کمتری، تہذیب یا ملک کے متعلق تحقیر آمیز الفاظ کہیں۔ اور کبھی اپنی گفتگو سے ان کو یہ احساس نہ دلائیے کہ آپ کو اپنے ملک اور قوم میں کمزوریاں اور خامیاں نظر آتی تھیں اور آپ کا ملک کمتر اور پس افتادہ ہے۔ نہ ہی زیادہ بڑھ بڑھ کر بولنا شروع کر دیجیے۔ نہ ہی ان کی تہذیب اور قوم کے متعلق تحقیر آمیز الفاظ مُنہ سے نکالیے۔ غیر ملکی مہمانوں کو ملتے وقت یہ مت بھُولیے کہ آپ صرف اپنے گھرانے اور خاندان کی نمائندگی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی قوم اور وطن کی بھی عزت کا انحصار آپ کے رویّے پر ہے۔

آپ جس کسی سے بھی ملیے، کھُلے دل اور خندہ پیشانی سے ملیے۔ تصنع اور تکلفات کے بجائے خلوص اور سادگی سے کام لیجیے۔

(۱۲) غیر ملکی ملنے والوں کے یہاں خود جاتے وقت بھی چند باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے مثلاً سب سے پہلے تو یہی کہ ان کے یہاں کبھی بے اطلاع اور اُن سے وقت مقرر کیے بغیر نہیں جانا چاہیے۔

(۱۳) زیادہ دیر تک مت بیٹھیے۔ جب تک کہ وہ خود کسی تقریب کے سلسلے میں نہ بلائیں۔ بچے ہرگز ان کے یہاں نہ لے جائیے۔ اگر آپ کے بچے کی ان کے بچوں سے دوستی ہے اور وہ آپس میں کھیلنا چاہتے ہیں تو بھی ان کی صلاح کے بغیر بچے کو ان کے یہاں زیادہ مت بھیجیے۔

علاوہ معمولی مہمانی اور ملاقاتوں کے بعض موقعے اور بھی ہوتے ہیں۔

جب کسی کے یہاں ہمیں جانا ہوتا ہے مثلاً مبارکباد دینے، مزاج پُرسی کرنے اور تعزیت کے موقع پر۔ ایسے موقعوں کے لیے ہر ایک موقع کے مختلف آداب میزبانی اور مہمانی ہوتے ہیں۔

مُبارکباد جب کسی کے یہاں مبارکباد دینے کی غرض سے جاتے ہیں تو اپنے لباس اور وضع قطع سے بھی اپنی خوشدلی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارے مُلک کی تہذیب اور دستور تو یہ بھی ہے کہ مختلف موقعوں کی مناسبت سے اپنی حیثیت کے مطابق مختلف تحفے بھی لے جاتے ہیں۔ قدیم خاندانوں میں تو یہ دستور ہُوا کرتا تھا کہ جب کوئی دور دراز کے سفر سے واپس آتا یا کسی طویل بیماری سے صحت یاب ہوتا تو مبارکباد دینے والے صدقے کے لیے تیل مالش، روپئے یا پیسے لاتے تھے۔ اس کے علاوہ مٹھائی اور ہار پھول بھی لے جایا کرتے تھے۔

کسی کی کامیابی کے موقعے پر مٹھائی اور ہار پھول لے جانے کا رواج تھا اور بچے کی پیدائش پر رشتے اور میل جول کی مناسبت سے بچے کے لیے کوئی تحفہ لے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے کی گرانی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تکلفات ممکن نہیں تو پھر بھی پھولوں کے گلدستے یا کوئی مناسب اور معقول تحفہ لے جانا چاہیے۔

مزاج پُرسی بیمار کی عیادت بہت مشکل اور اہم فرض ہوتا ہے:
(۱) بیمار کے گھر میں کئی کئی لوگ مل کر ہرگز نہیں جانے چاہئیں۔ نہ ہی ہر شخص کا یہ اصرار ہونا چاہیے کہ وہ بیمار کی پٹی سے لگ کر بیٹھے گا

تب ہی عیادت کا فرض بجا لا سکے گا۔ بعض بیمار یہ چاہتے ہیں کہ ان کو سکون سے تنہائی میں لیٹے رہنے دیا جائے۔ ایسے بیماروں کی عیادت کا یہ طریقہ ہے کہ اس کے قریبی سے اس کی طبیعت اور کیفیت کا حال معلوم کر کے واپس آ جائیں۔

(۲) عیادت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی مریض کی ایسی حالت ہے کہ اس کے پاس دن رات بیٹھنا اور ہر طرح کی خدمت کرنا ضروری ہے اور اس کے گھر والے تھک کر پست ہو چکے ہیں تو آپ اپنی فرصت کا کوئی وقت نکال کر کچھ دیر کو اُنھیں اس فرض سے سبکدوش کر سکتے ہیں تاکہ وہ سستا لیں۔

(۳) بیمار کے سامنے جانا ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے لیکن یہی سب سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ اگر آپ بیمار کے سامنے تشویشناک شکل بنا کر جاتے ہیں تو اس پر بُرا اثر کرے گا اور اگر بہت زیادہ بے تعلق اور لاپروا شکل لے کر اِدھر اُدھر کے ذکر کرتے ہوئے جائیں گے تو اس کو ملال ہوتا ہے کہ اس کو میری تکلیف سے ہمدردی نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سنجیدہ، ہمدرد لیکن شگفتہ چہرہ بنا کر جائیے۔ اس کی کیفیت پُوچھئے اور اس کی بات کو پُوری توجہ سے سُن کر اس کو یقین دلائیے کہ آپ کو اس سے پوری ہمدردی ہے، اس کو صحت جلد ہی ہو گی اور اس کی حالت تشویشناک نہیں ہے۔ پورے وقت بیماری ہی کا ذکر نہ کرتے رہنا چاہیے۔ اِدھر اُدھر کی وہی باتیں چھیڑنی چاہئیں جن میں مریض کو دلچسپی ہو تاکہ اس کا دھیان بٹ جائے۔

(۴) مریض اور اس کے عزیزوں کے سامنے مریض کی حالت پر تشویش اور مایوسی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے ۔ نہ ہی ایسے قصّے بیان کرنے چاہئیں کہ فلاں اس مرض میں یُوں ختم ہو گیا اور فلاں یُوں ۔

(۵) دُنیا کی بے ثباتی کے نقشے مت کھینچئے ۔ ایسا نہ ہو کہ مریض کی قوّتِ ارادی پر بُرا اثر پڑے ۔

(۶) ایسی گفتگو کیجیے جس سے اس میں بشاشت پیدا ہو ۔

(۷) اگر مریض کا اصرار نہ ہو تو اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیے ۔

(۸) بیمار کے گھر میں بچّے ہرگز نہ لے جائیے ۔

بیمار کے گھر میں میزبانی

معمولی بیماری تو خیر لیکن جب بیمار کی حالت تشویشناک ہو، اس گھر کے لوگوں پر یہ فرض نہیں کہ مہمانوں کی خاطر مدارات کریں اور بیمار کو بھُول کر مہمانوں کی تواضع میں لگ جائیں اور نہ مہمانوں کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس صورت میں ایسی توقع کریں ۔

تعزیت

تعزیت کے طور پر کسی کے یہاں جاتے وقت سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے ۔ وہ ہے لباس اور گفتگو ۔ موت اور غمی کے گھر میں ہمیشہ اسی کی مناسبت سے پوشاک پہن کر جائیے ۔ ایسے گھروں میں زرق برق اور تیز رنگین کپڑے بہت نامناسب رہتے ہیں ۔ سفید یا بالکل ہلکے رنگوں کے سادے کپڑے پہن کر جانا چاہیے ۔ متعلقین کے سامنے مرنے والے کا ذکر بہت محتاط طریقے سے کیا جاتا ہے

نہ اس قسم کی غمناک باتیں کی جاتی ہیں کہ سننے والوں کا کلیجہ شق ہونے لگے۔
اور نہ اس قسم کی باتیں کرنی چاہئیں۔ جن سے غم زدہ کو یہ احساس ہو کہ آنے والے کو ہمارے غم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

بعض لوگ اتنے متجسس ہوتے ہیں کہ کرید کرید کر پوچھتے ہیں۔ کیا ہوا، کیسے دم نکلا، مرتے وقت کیا کہا۔ اس قسم کی گفتگو سخت ناشائستگی اور سنگدلی کی نشانی ہے اور مہذب لوگ ایسی گفتگو سے احتراز کرتے ہیں۔ تعزیت کے لیے آنے والے مہمانوں کی کوئی خاص تواضع تو نہیں کی جاتی البتہ یہ دستور ہے کہ گھر میں اس وقت چند ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن پر غم کا اتنا شدید تاثر نہیں ہوتا کہ وہ آنے والوں سے بات چیت ہی نہ کر سکیں۔ ایسے وقت میں ان لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ آنے والوں کے بیٹھنے اور ان سے بات چیت کی طرف متوجہ ہوں۔

آنے والوں کو بھی لازم ہے اور گھر والوں کو بھی کہ موت اور اپنے غم کا احترام خاموشی اور صبر و تحمل سے کریں۔

مہمانی اور میزبانی دونوں ہی کے ادب کا خلاصہ یہ ہے کہ مہمان اور میزبان دونوں ہی کو اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے زحمت کا باعث نہ بنیں اور اپنے طرزِ عمل میں غیر فطری تصنع اور تکلف کو شامل نہ ہونے دیں۔

لباس اور بناؤ سنگھار

لباس اور بناؤ سنگھار نہ صرف کسی شخص کی اپنی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے بلکہ اس شخص کے ماحول اور تہذیب کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ ہر تہذیب و تمدن نے خوش لباسی اور خوش وضعی کو زندگی میں بڑی اہمیت دی ہے۔ لباس انسان کی زندگی اور مزاج میں بڑا زبردست دخل رکھتا ہے۔ یوں تو مختلف ملکوں میں لباس کے فیشن اور وضع قطع علیحدہ علیحدہ اور اس ملک کی آب و ہوا کی مناسبت سے متعین ہوتے ہیں لیکن ہر تہذیب اور ہر ثقافت نے سادگی اور صفائی پر زور دیا ہے۔ ہر ملک اور قوم کا مہذب ترین، سنجیدہ اور شائستہ طبقہ لباس کے معاملے میں ایک خاص ذوق رکھتا ہے اور کوشش یہ کرتا ہے کہ سادگی میں پرکاری پیدا کی جائے۔

مردانہ لباس

مردوں کا لباس ہمیشہ ایسا پسند کیا جاتا ہے جو موزوں اور سادہ ہونے کے علاوہ ان کے کام کاج میں حارج نہ ہو۔ شرفاء میں مردوں کے لباس کی ساری خوبصورتی کی بنیاد، اس کی سادگی، ستھرائی اور نفاست پر ہوتی ہے مردوں پر خاص رنگ اور مخصوص کپڑے ہی بھلے اور مناسب معلوم ہوتے

ہیں۔ کچھ رنگ ایسے ہوتے ہیں جو مردوں پر کبھی نہیں کھلتے مثلاً گلابی، تیز اودے، نارنجی اور سُرخ رنگ مردانہ وجاہت اور شان کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح بے انتہا چمکدار ریشم یا بے حد باریک اور شفاف نائلون پہننے والے مردوں کو پچلے اور پست درجے کے مرد سمجھا جاتا ہے۔ ترک بھڑک اور چمکیلے لباس پہننے سے مرد کی شخصیت میں سستا پن، یا چھچھورا پن آجاتا ہے۔ اِس قسم کے لباس سنجیدگی اور وقار کے منافی ہوتے ہیں۔

کاروباری مردوں اور طالب علموں کے لباسوں میں بھی ایک امتیازی فرق ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اوّل تو طالب علموں کو اپنے اپنے ادارے کے یونیفارم کی پابندی لازمی ہے۔ کسی طالب علم کا یونیفارم پہننے سے گریز کرنا کسی خوبی کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تہذیب کے منافی ہے اور اس کے مزاج کے بے اُصولے پن کی دلیل ہے۔

اسکول اور کالجوں کے اوقات کے علاوہ روزمرّہ کی زندگی میں بھی مہذب گھرانوں کے لڑکے لباس میں سادگی پسند کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ٹائیوں کے رنگوں اور ان پر بنی ہُوئی تصویروں تک کے انتخاب میں بھی محتاط ہوتے ہیں۔ فحش یا سستے قسم کی تصویروں والی ٹائیاں مہذب اور شائستہ مردوں میں کبھی مقبول نہیں ہوتیں۔ اچھے قسم کے طالب علم کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ عام زندگی میں بھی طالب علم ہی نظر آئیں اور کوئی سیٹھ یا کسی کارخانے کا منیجر نظر آنے کی کوشش نہ کریں۔

قومی اور غیر ملکی لباس

یہ سوال ہمارے ملک میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے کہ ہمارے یہاں ملکی لباس تو اور قسم کے ہیں لیکن ساتھ ہی پتلون نے بھی اب قومی لباس کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پتلون ایک بہت ہی پریکٹیکل قسم کا لباس ثابت ہوئی ہے اور ہر کس و ناکس کے استعمال میں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بعض لوگوں کو اب تک پتلون کا استعمال صحیح طور پر نہیں آیا۔ پتلون کا تقاضا ہے کہ وہ ایک خاص انداز کی سلی ہوئی ہو اور اس کی کریز وغیرہ درست ہو۔ پھر بعض لوگ جسمانی طور پر پتلون کے لیے ناموزوں ہوتے ہیں۔ اوندھی سیدھی پتلون اور بے ہنگم اور بد وضع سلی ہوئی بش شرٹ سے بہتر ہے کہ انسان اپنا قومی لباس شلوار اور شیروانی ہی استعمال کرے خصوصاً تقریبات کے موقعوں پر۔ اس لباس کے ساتھ سلیم شاہی جوتا یا سرگودھے کے جوتے بے حد خوبصورت اور موزوں ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن جوتے میں بھی اس بات کا لحاظ ضروری ہوتا ہے کہ یہ بھڑکیلے نہ ہوں۔

سُوٹ

سوٹ پہننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ چند باتوں کا سختی سے لحاظ رکھے۔ مثلاً دن کے وقت جو سوٹ استعمال کیے جائیں وہ خواہ سنگل ہوں یا ڈبل بریسٹ، اس کے ساتھ ویسٹ کوٹ استعمال نہ کریں۔ سوٹ کی قمیض کا رنگ موافق ہو اور ہلکا۔ سفید کے علاوہ مردانی قمیضوں کے لیے کافوری (کریم کلر) ہلکا آسمانی۔ ہلکا زرد یا سبز اور ہلکا سرمئی (گرے) رنگ مناسب ہوتا ہے۔ سوٹ کے ساتھ قمیص ڈھیلی

جیب نہ لگانی چاہیے۔

سوٹ کے کوٹ اور جیکٹ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

شانوں سے لٹکتا ہوا نہ ہو اور نہ ہی بالکل تنگ ہو۔ کمر پر سے چُست نہ ہو۔ اس کی لمبائی اس قدر ہو کہ کولھوں کو ڈھانک سکے۔ کالر گردن پر نہ ڈھیلا ہو نہ بالکل تنا ہوا ہو۔ آستینوں میں بل نہ پڑتے ہوں اور ان کی لمبائی اس قدر ہو کہ آدھی انچ قمیص کا کف نظر آتا رہے۔

سنگل بریسٹ کوٹ کا درمیانی بٹن لگاتے ہیں اور ڈبل بریسٹ کا سب سے پہلا بٹن لگانا چاہیے۔

ویسٹ کوٹ (تھری پیس سوٹ کی واسکٹ) عام طور پر رات کو پہنی جاتی ہے۔ ویسٹ کوٹ عموماً سوٹ اور کوٹ سے میچ کرتی ہے اور اگر معکوس کا رنگ (کنٹراسٹنگ رنگ) استعمال کریں۔ تب بھی رنگوں کے آہنگ اور تناسب کا خاص خیال رکھیے۔ ویسٹ کوٹ کا آخری بٹن کھلا چھوڑ دینا چاہیے ویسٹ کوٹ پہنی ہوئی ہو تو کوٹ کے تمام بٹن کھلے رہنے دیتے ہیں۔ ویسٹ کوٹ پہننے کا ان دنوں زیادہ رواج نہیں رہا۔ البتہ ڈنر سوٹ کے ساتھ پہنی جاتی ہے۔ نوعمر لڑکوں کو ویسٹ کوٹ پہننے کی چنداں ضرورت نہیں اس کو پہن کر وہ ضرورت سے زیادہ عمر رسیدہ نظر آتے ہیں۔

پتلون کو جسم کی مناسبت سے سلوائیے۔ اس کی کمر اور پائنچوں کی صحت کا خاص خیال رکھئے۔ ایک بات کا اور بھی لحاظ رکھیے کہ لباس ستر پوشی کے لیے

ہوتا ہے۔ اگر لباس آپ کے جسم کو بدنما حد تک نمایاں کرتا ہے تو پھر وہ شائستہ اور مہذب نظروں کو کھٹکتا اور شرمسار کرتا ہے۔ اپنے لباس اور خصوصاً پتلون کی فٹنگ میں اس بات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ دیکھنے والے کو اس کی تنگی شاق نہ گزرے۔

ٹوپ کوٹ اور اوورکوٹ

جن علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی ہے۔ وہاں اوورکوٹ اور ٹوپ کوٹ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ ضرور پہننا چاہیے کیونکہ موسم کے لحاظ سے لباس نہ پہننا بھی غیر شائستگی کی علامت ہوتی ہے۔ اوورکوٹ یا ٹوپ کوٹ کا رنگ گہرا ہونا چاہیئے۔ تیز نیلا اور چاکلیٹ رنگ اس کے لیے زیادہ مناسب رہتا ہے۔ اوورکوٹ کی کمر سے کم لمبائی گھٹنوں سے نیچے ہونی چاہیے۔ گھٹنوں سے اُونچا نہ ہو۔ اوورکوٹ کی آستینیں لمبی ہونی چاہیے۔

قمیص

دن کے وقت قمیص کا رنگ ہلکا مناسب ہوتا ہے۔ یا پھر سفید رنگ کی ہو۔ قمیص کا کالر ڈھیلا نہ ہونا چاہیے لیکن بہت تنگ بھی نہ ہونا چاہیے۔ ان دنوں قمیص کے ساتھ ہی کالر لگا ہوتا ہے۔ الگ سے کالر لگانے کا رواج نہیں ہے۔ ڈبل کف بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن اب زیادہ تر سنگل کف کا رواج ہے۔ اس میں آسانی رہتی ہے

ٹائی

ٹائیوں کے انتخاب کی بڑی گنجائش ہوتی ہے اور ساتھ ہی ان کا انتخاب مذاقِ سلیم کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔ جب تیز رنگ کی ٹائی کا

انتخاب کیجیے تو اس کے ساتھ ہمیشہ ہلکے رنگ کی قمیض پہنیے۔ ٹائی پھولدار دھاری دار یا منقش بھی پہنی جاتی ہے۔ بدمذاقی کے نمونے والی ٹائیاں استعمال نہ کرنی چاہئیں۔

جوتے دن کے وقت عام طور پر بادامی رنگ کے جوتے استعمال کیے جاتے ہیں یعنی (براؤن) ویسے جوتوں کی کوئی ایسی قید بھی نہیں خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں جوتوں کے بے شمار خوبصورت ڈیزائن موجود ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے استعمال میں موسم اور جگہ کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کارخانے میں بارش کے موقع پر یا پھر پہاڑی علاقوں کی چڑھائی میں سلیم شاہی اور زرکار جوتے نامناسب ہوتے ہیں۔ ڈنر سوٹ کے ساتھ ہمیشہ سیاہ جوتے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ گرے (سلیٹی) اور نیلے رنگوں کے ساتھ بھی کالے جوتے ہی سجتے ہیں۔

موزے سوتی، نائلون کے اور اونی استعمال کیے جاتے ہیں۔ ڈنر سوٹ کے ساتھ صرف سیاہ موزے استعمال ہوتے ہیں۔ رنگین اور دھاری دار موزے روزمرہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ موزے جوتوں سے موافق ہوں تو اچھا ہے۔ اسی طرح کپڑوں کے رنگ سے بھی انھیں حتی الامکان موافق ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جوتے تو براؤن ہوں جرابیں پیلی اور سوٹ نیلا۔

رات کا لباس گرمی میں سفید کرتا پاجامہ بہترین لباس ثابت ہوتا ہے جاڑے میں موٹے کپڑے کا کرتا استعمال کر سکتے

ہیں ورنہ نائٹ سوٹ استعمال ہوتے ہیں۔

دیہاتی علاقوں کے لباس میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں نسبتاً گہرے رنگ زیادہ بہتر رہتے ہیں۔

دیہاتی علاقوں میں یکساں کپڑے کی پتلون اور جیکٹ بہت مناسب رہتی ہے۔ اگر واسکٹ یا سویٹر پہننا ہوں تو وہ معکوس رنگوں کے پہنے جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کے رنگ آپس میں موافق ہوں۔

دیہاتی قمیض شہر کی بہ نسبت دیہات والے زیادہ گہرے رنگ کی قمیض استعمال کرتے ہیں یا پھر چارخانے کی بش شرٹ اور اسپورٹ شرٹ زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ بڑے بڑے اور رنگ برنگی چھاپوں کی بش شرٹیں پہننا غیر سنجیدہ حرکت ہے۔ خود امریکہ کا شائستہ اور خوش مذاق طبقہ بھی جزیرہ ہوائی کے پرنٹ کی قمیضوں اور بش شرٹوں کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتا ہے۔

دیہاتی پتلون دیہات کے استعمال کی پتلون زیادہ ڈھیلی ڈھالی اور آرام دہ ہونی چاہیئے۔ کورڈورائے یا اسی قسم کے کپڑے کی پتلون زیادہ بہتر رہتی ہے، اس میں کریز کا خیال بھی ضروری نہیں۔

ڈنر کا لباس ڈنر میں ڈنر کوٹ اور جیکٹ دونوں ہی استعمال کی جاتی ہیں۔ ڈنر جیکٹ جب ہی استعمال کرنی چاہیے جب کہ دعوت نامے میں اس کی حسب طور پر فرمائش کی گئی ہو۔ جیکٹ سیاہ ہونی

یا پھر گہرے نیلے رنگ کی بھی ہوتی ہے۔ گرمیوں میں کسی ٹھنڈے کپڑے کی سفید جیکیٹ مثلاً شارک اسکن یا ایسے ہی کسی دوسرے کپڑے کی استعمال کی جاتی ہے۔ ویسے گرمیوں میں سیاہ جیکیٹ پہن لینے میں کوئی اعتراض تو نہیں، البتہ گرمی کے مارے حال بُرا ہو جاتا ہے۔

ڈبل بریسٹ کوٹ کے ساتھ ویسٹ کوٹ نہیں پہنی جاتی ہے۔ سنگل بریسٹ کوٹ کے ساتھ گہرے نیلے رنگ کی یا سیاہ ویسٹ کوٹ پہنی جا سکتی ہے۔ ویسٹ کوٹ سنگل بریسٹ بھی ہوتی ہے اور ڈبل بریسٹ بھی۔

پتلون کوٹ ہی کے کپڑے کی اور ہم رنگ ہوتی ہے۔ اکثر اوقات اس کو ساٹن کی ایک پتلی سی گوٹ سی بھی لگی ہوتی ہے۔ یہ عموماً فوجی اور اسی قسم کے دوسرے اداروں کے ڈنر سوٹ میں ہوتا ہے۔

ڈنر سوٹ کی قمیص کا سینہ سخت اکڑا ہوا اور کلف دار ہوتا ہے قمیص سفید ہوتی ہے اور اس پر بو لگائی جا سکتی ہے۔ گرمیوں میں ہیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ سخت سرد مقاموں پر نیز نیلے رنگ کا، یا سیاہ ہیٹ استعمال کرتے ہیں۔

دستانے گرے یا پھر شتری رنگ (کیمل کلر) کے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

ڈنر سوٹ کا اوور کوٹ سیاہ یا اکسفورڈ گرے یا پھر گہرے نیلے رنگ کا ہونا چاہیے۔

ڈنر کے موقع پر سفید رنگ کی سلک کا اسکارف سفید رومال اور سفید یا سُرخ پھُول استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کارنیشن کا پھُول استعمال کرتے ہیں اور یہ بائیں طرف کے کاج میں لگایا جاتا ہے۔

اوّل ٹیل کوٹ ان دنوں شاذونادر ہی استعمال ہوتا ہے۔ مغربی ممالک میں ٹیل کوٹ کرائے پر لے لیتے ہیں اس کا رنگ اور کپڑا بھی وہی ڈنر کوٹ یا ڈنر جیکٹ والا ہوتا ہے۔ ٹیل کوٹ صرف دراز قد لوگوں ہی پر سجتا ہے اس لیے کہ اس کو گھٹنوں سے نیچے تک ہونا چاہیے۔ چھوٹے قد کے لوگ اس میں مضحکہ خیز نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ باقی تمام لوازمات تقریباً وہی رہتے ہیں۔ ٹیل کوٹ کے ساتھ اوپیرا ہیٹ زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

لباس پہننے کی اصل تعریف تو یہ ہے کہ جس قسم کا بھی پہنا جائے۔ اپنے مکمل فیشن اور طور وطریق کے ساتھ پہنا جائے مگر لباس کی قیمت اتنی اہم نہیں ہے جس قدر اس کے پہننے کا انداز اہمیت رکھتا ہے۔

خواتین کا لباس

خواتین کے لباس کے متعلق ایک عام نظریہ یہ ہے کہ وہ بہترین اور قیمتی سے قیمتی ہو جب ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اور جب ہی ان کے حُسن میں چار چاند لگتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورت کا حُسن موزوں اور متناسب لباس اور موسم کے مطابق کپڑے اور رنگوں کے انتخاب ہی سے

نکھرتا ہے۔ سمجھ دار خواتین اس بات پر زیادہ زور نہیں دیتیں کہ ان کا لباس قیمت کے اعتبار سے بھاری بھرکم ہو بلکہ ان کی اصل نظر مندرجہ ذیل امور پر ہوتی ہے:

سب سے اوّل تو یہ ہے کہ کپڑے اور رنگوں کا انتخاب موسم کے اعتبار سے ہو۔ مثلاً "تیز گرمی میں چیختے" ہوئے شوخ رنگ نہ صرف دیکھنے والوں کی نظر کو مکدر کرتے ہیں بلکہ پہننے والوں کی صحت اور مزاج کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

تیز گرمی میں سُرخ، عنابی، کاہی، تیز فیروزی، گہرے نیلے اور سیاہ رنگوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

گرمی کے مخصوص رنگ، سفید، پیازی، ہلکا گلابی، کافوری، انگوری، ہلکا آسمانی، بہت ہی ہلکا فیروزی اور فالسائی رنگ ہوتے ہیں۔ گرمی میں باریک سُوتی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ریشم اور نائلون نامناسب ہوتے ہیں۔

برسات کے رنگوں میں گل انار، گل شفتالو، دھانی اور سبز رنگ خصوصیت سے پسند کیے جاتے ہیں۔

جاڑے میں البتہ تمام رنگ آزادانہ استعمال کیے جاتے ہیں لیکن شوخ رنگ زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔

موسم سرما میں ناکافی لباس یعنی گرمی کے ٹھنڈے کپڑے بغیر کسی سویٹر یا صدری اور شال کے پہننا خلافِ تہذیب سمجھے جاتے ہیں۔ موسم کی مناسبت

سے سویٹر، چادر، اوور کوٹ وغیرہ استعمال میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

عورتوں کو لباس کے معاملے میں سوسائٹی نے بہت زیادہ آزادی دے رکھی ہے اور ان کو اس کے انتخاب میں زیادہ پابندیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا پھر بھی مختلف لباسوں کے مختلف آداب ہیں۔

شلوار قمیص پاکستان کا عام لباس ہے اور ہر پاکستانی خاتون اس کا انتخاب اور استعمال خوب جانتی ہے۔ صرف محتاط اور سنجیدہ قسم کی خواتین اپنی قمیصوں کے پرنٹ کے انتخاب میں احتیاط برتتی ہیں وہ سنجیدہ اور صوفیانہ قسم کے پرنٹ زیادہ پسند کرتی ہیں اور پہننے وقت بھی موقع اور جگہ کا لحاظ کرتی ہیں۔ مثلاً کالج، اسکول اور اسی قسم کے اداروں میں سادے اور خوش رنگ کپڑوں کی قمیص زیادہ مناسب رہتی ہے۔

بازار میں خریداری کے وقت بھی سوتی اور سمٹے سمٹائے کپڑے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔

موٹی اور پست قد خواتین چارخانے اور بہت بڑے بڑے پرنٹ کے کپڑوں کی قمیص نہیں پہنتیں۔ اس کے بجائے پلین یا دھاریوں والے کپڑے پہنتی ہیں۔ بہت موٹی عورتیں چُنے ہوئے دوپٹوں کے بجائے نرم نرم دوپٹے اوڑھتی ہیں۔

غرارہ (ڈھیلا پاجامہ) ان دنوں محفلی لباس میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے پہننے میں تنگ اور قاعدے کا زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی گوٹ اس انداز کی ہوتی ہے کہ پائنچہ کا آخری سرا اور گوٹ کا سرا آکر ٹھیک گھٹنے پر

بیٹھے نہ زیادہ اونچی اور بڑی گوٹ اچھی ہوتی ہے اور نہ بالکل چھوٹی گوٹ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ گوٹ کے نچلے سرے پر بخیہ نہیں کرتے۔ یہ ہمیشہ تُرپی جاتی ہے اور اس پر کسی قسم کی ٹنکائی بھی نہیں کرتے۔ ٹنکائی صرف پائینچے پر کی جاتی ہے۔ اس پر پہننے والی قمیص یا کرتا گھٹنے سے چھ سات انگل اونچا رکھتے ہیں۔ غرارے کی قمیص پر گلا سادہ ہی بھلا معلوم ہوتا ہے، مختلف ڈیزائن اور کالر نہیں بناتے۔ عام طور پر کرتا زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کرتے کی آستینیں، دامن، گلا اور کلیاں ٹانکی جا سکتی ہیں۔ لیکن کلیوں پر صرف بُکھی ٹانکتے ہیں۔ غرارے پر فراک نما قمیص کبھی نہیں پہننی چاہیے۔ اس پر اونچی ایڑی کے جوتے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ویسے دراز قد خواتین سلیم شاہی اور چپلیں بھی استعمال کرتی ہیں۔ غرارے کے ساتھ چُنا ہُوا دوپٹہ بہت سجتا ہے۔ غرارہ پہننے کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ پہننے والی کو اس کے پائینچے پکڑ کر چلنے کا انداز آتا ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چلتے وقت پیچھے کی طرف سے کلیوں کو اکٹھا تین انگلیوں میں پکڑ لیتے ہیں۔ پھر یہ کسی کام میں اور کسی جگہ بھی حارج نہیں ہوتا۔ عام طور پر غرارے کی قمیص سادی ہوتی ہے۔ سفید یا کسی دوسرے رنگ کا پلین یا بیک یا نرم کپڑا ہوتا ہے۔ عام طور پر غرارے کا کپڑا پھولدار، دھاری دار یا چار خانے کا ہوتا ہے اور کرتا قمیص پلین ہوتا ہے۔ سوتی پرنٹ یا چار خانوں کے غراروں پر سفید کلی دار کرتے بہت کھِلتے ہیں۔

تنگ پاجامہ ۔ دوہرے بدن کی دراز قد خواتین پر بہت سجتا ہے۔

اس کی قمیص یا کرتا پنڈلی سے دس انگل اونچا رکھتے ہیں۔ تنگ پاجامے پر کف دار قمیص اور صدری بہت اچھی لگتی ہے۔ اس کی مہریاں (پائنچے) ٹانکی جا سکتی ہیں۔ ٹنکی ہوئی مہری پر زری کے سلیم شاہی جوتے بہت خوبصورت لگتے ہیں۔

بزرگ خواتین پر یہ لباس خصوصیت سے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ڈھاکے کے یا سوتی ململ کے چنے ہوئے دوپٹے اوڑھے جاتے ہیں۔ اس کا دوپٹہ شلوار اور غرارے کے دوپٹے سے تھوڑا بڑا رکھتے ہیں۔ یہ لباس گھروں میں اور محفلوں میں پہنا جاتا ہے۔ بازار میں اس کو پہن کر نہیں نکلا جاتا۔

ساری

یہ بھی شلوار کی طرح عام لباس ہے۔ موٹی اور چھریری ہر قسم کی عورتوں پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ساری جس قدر سادہ ہو گی اتنی ہی پرکاری اس میں ہوتی ہے۔ کنارے دار سوتی ساریاں، سلک کی ساریاں، بنارسی ساریاں سب ہی اپنی اپنی جگہ ایک خاص سادگی لیے ہوئے ہونی چاہئیں۔ ساری کا بلاؤز اچھا اور اسمارٹ سلا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ پلین ساری پر چارخانے کے اور پرنٹ کے بلاؤز پہنے جا سکتے ہیں۔ پھولدار ساریوں پر پلین بلاؤز اچھے لگتے ہیں۔ کاٹن کی رنگین ساریوں کے ساتھ اسی کپڑے کے ہم رنگ بلاؤز پہنے جاتے ہیں۔ سردیوں میں ساری پر اونی بلاؤز پہنے جاتے ہیں۔ ڈھاکے کی بہت چھولنے والی ساری بھاری جسم کی خواتین استعمال نہیں کرتیں۔ یہ صرف دبلی اور لمبی عورتوں پر بھلی لگتی ہے۔

سلیکس ۔ اکثر لوگ پہاڑوں وغیرہ پر جانے کے لیے سلیکس کو پسند کرتے

ہیں۔ سلیکس کا رڈورائے کی اور خوش رنگ ہو تو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر معکوس رنگوں کے سویٹر اور ٹوئین سیٹ بھی پہنے جاتے ہیں۔ سلیکس پر چھوٹے اور شوخ رنگوں کے کوٹ پہنتے ہیں۔

کوٹ

کوٹ بناتے وقت عام طور پر یہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وہ ہر لباس اور ہر رنگ کے کپڑوں پر پہنا جا سکے۔ بہت زیادہ سرد علاقوں اور برفباری میں لمبے کوٹ زیادہ اچھے رہتے ہیں۔ زنانے کوٹ کا کپڑا بہت بھاری اور موٹا نہیں ہونا چاہیے۔ کوٹ ڈھیلا ڈھالا ہی اچھا رہتا ہے کوٹ کے کالر اور آستینوں اور کفوں کی مخصوص وضعیں ہوتی ہیں اور وہی مُناسب رہتی ہیں۔ پک نک اور اسی قسم کے دوسرے موقعوں پر دیہات یا پہاڑوں کی چڑھائی وغیرہ کے لیے گہرے رنگوں کے اور چیک کے کوٹ زیادہ مناسب رہتے ہیں۔ چھوٹے کوٹ دن کو اور لمبے کوٹ رات کو پہننے مناسب ہیں۔

شال دوشالے

شال اور دوشالوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ شال دوشالوں کا استعمال پاکستانی بیگمات سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ ساری پر چھوٹے اور کم چوڑائی والے شال استعمال ہوتے ہیں بلکہ ڈھیلے پاجامے (غرارے) پر بھی شال بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ ڈھیلے پاجامے پر کوٹ نامناسب نظر آتا ہے۔ یہ دونوں ہی لباس یگانگی ہیں اور ایک دوسرے پر کھلتے ہیں۔ شلوار اور قمیص پر بھی شال بہت خوب صورت لگتے ہیں۔

دوشالے تقریبات کے موقع پر استعمال کیے جاتے ہیں اور بھاری اور شوخ

رنگ لباسوں پر خوب کھلتے ہیں۔ عام طور پر دوشالے رات کے وقت زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ دوشالے کا رنگ بھی کوٹ کی طرح اس مناسبت سے انتخاب کرنا چاہیے کہ ایک طرف تو مختلف رنگوں پر چل سکتا ہو دوسرے خود آپ کے اپنے رنگ رُوپ پر بھی سجتا ہو۔

بلاؤز اور قمیصیں

بلاؤز اور قمیصوں کے فیشن اور طرز پر یوں تو کسی قسم کی پابندی نہیں لیکن بغیر آستینوں کے بلاؤز اور قمیصیں ہماری تہذیب میں معیوب اور شائستگی سے گری ہوئی چیز سمجھی جاتی ہیں۔

اسی طرح اتنی چست قمیص کہ جسم کے خطوط عریانی کی حد تک واضح ہو جائیں ہماری تہذیب میں ناقابل استعمال ہے۔

دراصل لباس اور فیشن انسان کے خصوصاً عورت کے حُسن کو دوبالا کرنے اور اُس کی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ جاذب بنانے کے لیے ہے اور وہ لباس جو شائستگی اور تہذیب کے منافی ہو ہمیشہ غیر جاذب سمجھا جاتا ہے اس کے پہننے والے کو فیشن پرست تو کہا جا سکتا ہے لیکن مہذب نہیں کہا جا سکتا۔

حاملہ کا لباس

ہمارے یہاں کی مہذب خواتین ایک اور بات کا خاص طور پر لحاظ رکھتی ہیں۔ وہ ایسے زمانے میں جبکہ ماں بننے والی ہوں خصوصیت سے بڑے ہی ستر پوش کپڑے استعمال کرتی ہیں۔ ان دنوں وہ خاص طور پر ڈھیلے ڈھالے کرتے سلوا کر استعمال کرتی ہیں۔ قمیصوں کی نشنگ بھی اس طرح پر کرواتی ہیں جو ان کی کمر اور کولھوں سے پیوست نہ ہو جائے

ان دونوں چست کپڑے صحت کے لیے بھی مفید نہیں ہوتے۔
کوٹ بھی بہت زیادہ ڈھیلے ڈھالے اور آرام دہ قسم کے استعمال کرتی ہیں غرض ہر طرح اس امر کا لحاظ رکھتی ہیں کہ ان کا جسم بُری طرح نمایاں نہ ہو۔

موقع کی مناسبت

لباس کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ موقع کی مناسبت کا لحاظ کرلیں۔ پک نک یا کشتی کی سیر وغیرہ کے لباس ایسے ہوتے ہیں جن کو پہن کر سہولت سے چلا پھرا جا سکے اور خراب ہونے پر دھلوایا بھی جا سکے۔
معمولی قسم کی پارٹیوں اور محفلوں کے لباس بہت زیادہ بھاری اور زرق برق نہیں ہونے چاہئیں۔ رات کے کھانے کے لباس دن کی بہ نسبت زیادہ خوش رنگ اور بھڑکیلے ہوتے ہیں۔
شادی کی تقریبات میں خوب بھاری اور ٹنکے ہوئے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں۔
سنجیدہ اور علمی قسم کی تقریبات اور محفلوں میں سادہ اور سنجیدہ لباس پہنا جاتا ہے۔
عبادت یا ماتم پُرسی کے وقت مہذب خواتین صوفیانہ لباس پہن کر جاتی ہیں۔

میک اپ

بے شک بناؤ سنگھار یعنی میک اپ عورت کا فطری جذبہ اور پیدائشی حق ہے لیکن بناؤ سنگھار کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ میک اپ میں ذرا سی بے راہ روی اور بے توجہی عورت کی شخصیت میں

بستاپن اور چھچورے انداز پیدا کر دیتی ہے۔ میک اپ سے مُراد یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے چہرے کو لیپ پوت کر میلے کی گجری کا چہرہ بنا کر رکھ دیں بلکہ اس کے لیے سلیقے اور صناعی کی ضرورت ہوتی ہے۔

سب سے اوّل تو ہر رنگ کی مناسبت سے لپ اسٹک اور روژ کے شیڈ ہوتے ہیں۔ ان کے انتخاب میں اپنے رنگ کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ پھر ہر چہرے کی ساخت اور مخصوص قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کو بنایا سنوارا جاتا ہے۔ مغلئی اور بیگماتی نقوش پر سنگھار بھی مشرقی انداز سے ہی کرنا چاہیے۔ بنگالی طرز کے چہرے پر اونچا جوڑا، سادا میک اپ اور کاجل والی آنکھیں بھلی لگتی ہیں۔ ہر چہرہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے ماتھے پہ کٹے ہوئے بالوں کی جھالر بھلی لگے۔ کرخت اور بہت کھڑے نقوش والے چہروں پر اس قسم کی جھالر بہت واہیات لگتی ہے۔ بھولپن لیے ہوئے نرم چہرے کو بھی بے انتہا لیپ پوت کر مسخ نہیں کرتے۔ سنگھار کا ایک الگ اور مستقل فن ہے اور یہاں صرف اس کے آداب سے تعلق ہے البتہ اس سلسلے میں اتنا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ میک اپ سنجیدگی اور شائستگی کی حد تک ہونا چاہیئے اور بڑی احتیاط یہ رکھنی چاہیے کہ اس میں بازاری اور سستاپن نہ پیدا ہونے پائے۔ بُرے اور سستے قسم کے بناؤ سنگھار سے بہتر ہے کہ چہرے کو اس کی فطری حالت پر چھوڑ دیا جائے۔

بغیر میک اپ کا سادہ اور فطری چہرہ خواہ کتنا ہی غیر جاذب کیوں نہ ہو، مہذب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن غیر فطری قسم کا بھونڈا سنگھار اس پر گنوارپن برسا

دیتا ہے۔

بچوّں کا لباس

اگر کوئی گھرانا واقعی ہر لحاظ سے تہذیب اور شائستگی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرے۔ اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہر معاملے میں تو محتاط ہوتے ہیں لیکن بچوّں کے معاملے میں سخت لاپروا رہتے ہیں حالانکہ بچوّں کے لباس میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے۔

بہت سی مائیں جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے خیال کرتی ہیں کہ اس معاملے میں احتیاط اور فکر کی کیا ضرورت ہے، جب چاہیں گے سلے سلائے ریڈی میڈ کپڑے خرید کر اپنے بچے کو سجا بنا لیں گے۔ حالانکہ یہی بنیادی غلطی ہے۔ ریڈی میڈ کپڑا ہی اکثر بڑے بڑوں کے نودولتے پن اور بدمذاقی کا پول کھول دیتا ہے۔ ریڈی میڈ کپڑوں کا انتخاب خصوصیت سے توجہ اور محنت چاہتا ہے۔ اوّل تو اس کی فٹنگ میں ہمیشہ نقص رہ جاتا ہے۔ دوسرے ان پر بازاری پن برستا ہے۔ اس لیے اس کے انتخاب میں کپڑے کے خیال کے علاوہ سلائی اور نمونے کا بھی خاص لحاظ رکھنا چاہیے۔

آج کل ریڈی میڈ کپڑوں کی اچھی دکانیں بھی شروع ہو گئی ہیں لیکن وہاں بھی مذاق اور وضع کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

ہر عمر کے بچوں کے لیے موسم اور آب و ہوا کی مناسبت سے کپڑا بنانا

چاہیئے۔ تقریباً ایک سال تک بچے کو سوتی کپڑے ہی پہنانا چاہیے۔ سفید اور ہلکے رنگوں کے سوتی وائل، کیمرک اور پاپلین کے کپڑے بہت بہتر رہتے ہیں۔ اس عمر کے بچوں کو ریشمی اور نائلون کے کپڑے کبھی نہیں پہنانے چاہئیں۔ بچوں پر بہت زیادہ بڑے اور جھاڑ جھنکار قسم کے پھولوں کے پرنٹ اور بے حد تیز رنگوں کے کپڑے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

لُو کے زمانے میں بچے کو بغیر شمیز کے باریک کپڑے نہیں پہنائے جاتے ہیں۔ ہمیشہ موٹی ململ کی کرتی، کرتے یا فراک کے نیچے پہنائی جاتی ہے۔

سردی کے زمانے میں بچے کے لیے گرم کپڑے نہاتے وقت یہ خیال ضرور رکھتے ہیں کہ کپڑے سخت اور چبھنے والے نہ ہوں، خوش رنگ ہوں اور بہت جلد میلے ہونے والے نہ ہوں۔

لڑکیاں

پانچ سال کی عمر تک

پانچ سال کی عمر تک لڑکی پر فراک کے علاوہ دوسرا لباس ٹھیک نہیں رہتا۔ پانچ سال کی عمر تک یہی لباس پہنایا جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکیوں پر شلوار فراک یا کرتا اور تنگ پاجامہ بہت اچھا لگتا ہے۔

شلوار

سفید شلوار پر رنگین، پلین، چارخانے کی اور پھولدار فراکیں پہنائی جاتی ہیں۔ اس عمر میں بھی عام طور پر سوتی کپڑے پہناتے

ہیں۔ ریشمی اور قیمتی کپڑے تہواروں یا پھر شادی بیاہ کی تقریبوں میں تھوڑی دیر سے زیادہ نہیں پہنانتے۔

تنگ پاجامے چھوٹی چھوٹی بچیوں کو گہرے رنگوں کے تنگ پاجامے اور کلی وار کرتے بھی پہنائے جاتے ہیں۔ گلابی جاڑوں میں سوتی پاجامے، سلک یا ململ کے کرتوں پر پاجاموں کے ہم رنگ واسکٹیں پہنانتے ہیں۔ سادی واسکٹوں پر ہاتھ سے کڑھائی کر دیتے ہیں تو بہت خوبصورت نظر آتی ہیں۔ تیز سردیوں میں موٹی کیس منٹ casement یا تیز رنگ کی فلالین کے پاجامے اور اس پر قمیص کرتے پہناتے ہیں۔

کوٹ چھوٹی بچیوں کے کوٹ ہلکے رنگ کے نہیں بنائے جاتے۔ بچوں کے کوٹوں کے مخصوص نمونے ہوتے ہیں جو فیشن بک میں سے لیے جا سکتے ہیں۔

جوتے اور چپلیں بچوں کے جوتے بنتے ہی خاص طور پر ان ہی کے مناسب استعمال کے لیے ہیں لیکن چپلوں کے معاملوں میں لوگ احتیاط کرتے ہیں۔ سبزی، سنہری اور طرحدار چپلیں بچیوں کو نہیں پہنائی جاتی ہیں۔ جب تک لڑکی خوب بڑی نہیں ہوتی۔ اس وقت تک اونچی ایڑی کی چپل اور جوتا اس کو نہیں پہناتے۔

زیور اور سنگھار تمیز دار لوگ بہت چھوٹی لڑکیوں کا بناؤ سنگھار اور زیور استعمال کرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ گیارہ

سال سے پہلے لڑکی کے کان میں سونے کی بالی بھی نہیں ڈالتے۔ لڑکیوں کو عام طور پر بالیاں ہی پہنائی جاتی ہیں اور بُندے استعمال کرنے کی اُن کو پندرہ سال کی عمر تک اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح کم عمری سے ہاتھوں پاؤں کے ناخن رنگنا، لپ اسٹک اور رُوج وغیرہ استعمال کرنا گنوار پن کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

لڑکے

پانچ سال کی عمر سے پہلے لڑکوں کو ہر وقت پتلون پہنائے رکھنا مناسب نہیں ہوتا۔ چھوٹے بچوں پر نیکریں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ لڑکوں کے لباس میں شروع ہی سے ایک بات کا خیال رکھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کو بہت زیادہ چمک دمک اور دکھاوے کا عادی نہ بنا دے۔ لڑکوں کو شروع ہی سے اس بات کا خوگر بنایا جاتا ہے کہ سنجیدہ اور باوقار قسم کا لباس پہنیں۔ بے حد تیز اور شوخ رنگ کپڑے اور ریکسیکن پرنٹ کی بش شرٹیں قمیصیں نہ تو ہمارے ملکی مزاج کے مطابق ہیں اور نہ ہی ہمارے یہاں کی عام رنگتوں پر موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ سیاہ اور نیوی بلو رنگ کی جینز بھی گھروں یا محفلوں میں استعمال کرنا بے تکے پن اور بدوضعی میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ لباس کانوں اور کارخانوں میں کام کرنے والوں کا ہے اور ان ہی کی سہولت کے خیال سے وضع کیا گیا ہے۔

اچھے گھرانوں میں شروع ہی سے لڑکوں کے دماغ میں یہ بات ڈالی

جاتی ہے کہ لباس کی تراش خراش اور رنگوں کی موزونیت کا شخصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

تہواروں کے لباس تہواروں اور بعض تقریبات خصوصاً عیدین کی نمازوں میں بچوں کو نیکر یا پتلون پہنانا بے حد مضحکہ خیز اور بے تکے پن میں شامل ہے۔ عیدین کی نماز کے لیے مخصوص قومی لباس شلوار شیروانی یا پاجامہ شیروانی ہوتا ہے۔

بچوں کے لباس کے انتخاب کا اہم ترین پہلو یہی ہے کہ وہ بے حساب قیمتی نہ ہوں اور اس طرح کے نہ ہوں کہ جس سے مزاج میں دکھاوے اور اوچھے قسم کی اتراہٹ کا مادہ پیدا ہو۔ رنگوں اور موقع کی موزونیت کا لحاظ بچپن ہی سے پیدا کیا جاتا ہے۔

جُوتے کھیل کے، اسکول کے اور دوسرے موقعوں کے جوتوں میں فرق ہوتا ہے اور وہ اسی اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں۔ پیدل چلنے والے لڑکوں کو کھلے سینڈل نہیں پہناتے۔ جوتوں کی شکلوں اور وضع کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے۔ اکثر لڑکے دن کے وقت یا یوں ہی عام موقعوں پر بے حد پتلی نوک کے پمپ یا جُوتے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ جوتے انگریزی رقص کے موقعوں پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ امریکی فلموں کی کثرت کی وجہ سے ہمارے ملک میں کاؤبوائے اور امریکہ کے بے حد نچلے طبقے کے بدکردار لڑکوں کے لباسوں کا بھی رواج ہو چلا ہے۔ لیکن سنجیدہ گھرانوں میں لڑکے اس قسم کے لباسوں

سے احتراز کرتے ہیں اور وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ جنھوں نے یہ لباس اختیار کئے ہیں۔ وہ بڑی مضحکہ خیز پوزیشن میں رہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی آب و ہوا اس بات کی متقاضی نہیں کہ گرمی یا برسات کے دنوں میں سیاہ یا دھاری دار اور بڑے بڑے چارخانے کی شوخ رنگ قمیصیں اور زیبِ حد چست پتلونیں استعمال کی جائیں۔ دُوسرے غیر ملکی بھی ہنستے ہیں کہ ان کو یہ بھی احساس نہیں کہ یہ کس طبقے اور کس قسم کے لوگوں کا لباس ہے۔

اقامتی مہمان اور اُن کی میزبانی

باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے یہ بہت نامناسب ہوتا ہے کہ وہ اچانک اور بے اطلاع کسی کے یہاں طویل یا ہفتہ دو ہفتہ کی مہمانی کے لیے جا اُتریں۔

کہیں جانے سے پہلے باقاعدہ اطلاع دینا ضروری ہے کہ کس وقت پہنچنا ہے اور کتنے دن ٹھہرنا ہے۔ کسی ایسے گھر میں جہاں ملازموں کی قلت ہو یا اہل خانہ کی حیثیت بہت زیادہ نہ ہو۔ سارے کنبے سمیت جا اترنا درست نہیں۔ اس بات کا خاص لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ مہمان میزبان پر بار نہ ہو۔ جس کسی کے یہاں جاتے ہیں اُس کے لیے اپنے شہر کی خاص چیز یا پھر پھل اور مٹھائی ضرور لے کر جاتے ہیں۔

جب ایک اکیلا آدمی کسی کے گھر جا کر ٹھہرتا ہے تو بھی اس بات کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ صاحب خانہ کو اس کی ذات سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ اقامتی مہمانی کی حالت میں اپنی سہولت سے زیادہ گھر والوں کی سہولت کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اگر کھانے میں کسی خاص قسم کی غذا سے پرہیز ہو یا پھر کسی خاص قسم کی غذا کھاتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے سے گھر کی بیگم کو بتا دیتے ہیں تاکہ عین کھانے کے وقت اس کو یہ معلوم کر کے شرمندگی نہ ہو کہ جو کھانا

اُس نے تیار کروایا ہے وہ مہمان نہیں کھلائے گا۔ کسی کے گھر ٹھہرنے والے اس بات کی ہمیشہ احتیاط رکھتے ہیں کہ میزبان کے ملازموں کو اپنے کاموں میں نہ اُلجھائے رکھیں اس لیے کہ اس طرح میزبان کے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور ملازم بھی جُز بُز ہوتے ہیں۔

جس گھر میں ٹھہرتے ہیں اس کو مدّت قیام تک گھر ہی سمجھ کر رہتے ہیں۔ گھر اور ہوٹل میں فرق ہوتا ہے اور اسی لیے گھر کی مہمانی کے آداب مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ اگر رہیں تو باہر نکلتے وقت صاحب خانہ سے پوچھ لیں کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں، اس طرف کا کوئی کام ہو تو بتا دیں۔ ساتھ ہی اپنی واپسی کا وقت بھی بتا دیں۔ اگر کھانے کے وقت تک واپسی کا امکان نہ ہو تو بتا جائیں کہ کھانے کے وقت انتظار نہ کیا جائے۔ جب کسی کے گھر میں قیام پذیر ہوتے ہیں تو اپنے گھر سے باہر کھانے کا پروگرام ہمیشہ اپنے میزبان کو بتا کر بناتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی خاتون کسی گھر میں ٹھہرتی ہیں تو وقتِ ضرورت صاحب خانہ کے کاموں میں ان کی تھوڑی بہت مدد ضرور کرتی ہیں۔

صاحبِ حیثیت لوگ دورانِ قیام میں دو ایک مرتبہ ضرور میزبان کے لئے یا اس کے بچّوں کے لیے کچھ نہ کچھ لاتے رہتے ہیں۔ کچھ نہیں تو موسمی پھولوں کے گلدستے یا پھل ضرور لاتے ہیں یا پھر بچّوں کے لیے کتابیں یا چھوٹے موٹے کھلونے وغیرہ لا کر دیتے رہتے ہیں۔

جاتے وقت گھر کے ملازم کو بطور انعام کچھ نہ کچھ روپیہ، دو روپے یا

چار پانچ روپے صرف کر جاتے ہیں۔

گھر میں ٹھہرنے والے مہمان کی میزبانی

جب کسی گھر میں کوئی مہمان ٹھہرتا ہے تو گھروالی اور صاحب خانہ کے فرائض بڑھ جاتے ہیں۔ مہمان کی اقامت کا مناسب انتظام، اس کا سامان منگوانا، اور اس کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرنا۔ سب سے پہلی منزل تو یہ ہے۔ دوسری اہم چیز اس سے کھانے کے متعلق پوچھنا ہے کہ اس کے ناشتے اور کھانے کے کیا اوقات ہیں اور کھانے اور ناشتے میں کس قسم کی چیزیں اسے پسند ہیں۔ اس قسم کے مہمان کی میزبانی میں یہ خیال بھی رکھنا پڑتا ہے کہ وہ کس علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اسی کے مذاق کا کھانا کھلایا جائے مثلاً اگر کسی کے یہاں پنجاب میں کوئی بنگالی مہمان ٹھیرا ہے تو اس کے لیے مچھلی اور چاول کا اہتمام رکھتے ہیں۔ اسی طرح بنگال کے علاقے میں روٹی کھانے والے مہمان کے لیے روٹی کا انتظام رکھا جاتا ہے۔ غیر ملکی مہمان کے لیے بے مرچ کے کھانے تیار کرلئے جاتے ہیں اور زیادہ تر ان ہی کی پسند کے کھانے پکواتے ہیں جس دن خصوصیت سے دسترخوان پر اپنے مخصوص کھانے کھلانے کا ارادہ ہو اس کو پہلے سے مطلع کر دیتے ہیں کہ آج تم کو ہم خاص اپنے کھانے کھلائیں گے۔

سردیوں میں مہمان کے نہانے کے پانی کا انتظام اس کی فرمائش کے بغیر کرتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس کے غسل خانے میں صابن، اُجلا تولیہ اور دوسرے لوازمات موجود ہیں۔ عام طور پر مہمان تولیہ صابن اپنا ذاتی استعمال

کرتے ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً یہ چیزیں مہمان کے غسلخانے میں رکھی جاتی ہیں۔

جب کسی گھر میں کوئی بزرگ مرد یا خاتون ٹھہری ہوتی ہیں تو چند باتوں کا خصوصیت سے انتظام رکھا جاتا ہے۔ اوّل تو بزرگوں کے اوقات کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ رات کو ان کے سرہانے پانی کا گلاس اور ان کے پلنگ کے قریب ہی پانی کا لوٹا پابندی سے یا خود رکھتے ہیں یا رکھواتے ہیں۔ اگر بزرگ خاتون پان تمباکو کی عادی ہیں تو وہ بھی مہیّا رکھتے ہیں اور مرد اگر حقہ پیتے ہیں تو ان کا حقہ تازہ کروانے کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ایسے مہمان کے کمرے میں رات کو بالکل اندھیرا نہیں رکھتے۔ ان کے کمرے میں زیرو پاور کا بلب یا مٹی کے تیل کا لیمپ دھیما کر کے ضرور رکھتے ہیں۔ ہاں اگر وہ خود اصرار کریں کہ روشنی نہیں چاہیے تو دوسری بات ہے۔

نوجوان اور ہم عمر مہمان تو صبح اٹھ کر اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر خود بخود آپ کے پاس آتے ہیں۔ لیکن بزرگ مہمان کے پاس صبح سلام اور مزاج پرسی کے لیے آپ کو خود جانا پڑتا ہے۔ بعض گھروں میں صاحبانِ خانہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے ہیں لیکن اپنے روزے دار مہمان کی افطار اور سحر کا پورا انتظام رکھتے ہیں۔

مہمان خواہ بزرگ ہو یا ہم سن، اس کی موجودگی میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر ادھر اُدھر گھومتے نہ پھریں۔ اگر جانا ناگزیر ہو تو پھر معذرت کر کے اس کے کھانے اور دوسری ضروریات کا پورا انتظام کر کے جاتے ہیں۔

گھر میں ٹھہرے ہوئے مہمان کے سامنے خرچ کی تنگی اور اجناس کے کم

پڑ جانے کا قطعی تذکرہ نہیں کرتے ۔ خاموشی سے کمی کو پُورا کر دیا جاتا ہے۔

بچوّں والے مہمان کے بچوّں سے جو نقصان یا بدتمیزی ہو جائے اُس کو خندہ پیشانی سے ٹال جاتے ہیں۔ اس کا بار بار تذکرہ کر کے مہمان کو شرمندہ نہیں کیا جاتا۔

جو مہمان گھر میں کئی دن سے ٹھہرا ہوا ہو اور اُس کی موجودگی میں نئے مہمان یا ملاقاتی آجائیں تو بھی ان کی خاطر مدارات میں اپنے گھر ٹھہرے ہوئے مہمان کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اس کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ مہمان نوازی کا عام اور سادہ سا اُصول یہی ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنے مہمان کے لیے ایسی بے تکلف اور مہمان نواز فضا قائم کر دی جائے کہ وہ خود کو بے جگہ یا مسافرت کے عالم میں نہ سمجھے بلکہ اسی گھر کا ایک فرد تصور کرنے لگے جو شخص چوبیس گھنٹے گھر میں رہ رہا ہو اس کے ساتھ بے جا تکلف اور اس کی ضرورت سے زیادہ خاطر داری محض تصنع اور بناوٹ ہے ۔ وہ نہ صرف شرمسار ہوتا ہے بلکہ اس کی طبیعت بند بند رہتی ہے ۔ اصل مہمان نوازی کا اصول یہ ہے کہ وہ آپ کے یہاں کُھل کر بے تکلفی سے رہے ـــــ البتہ مہمان کو بھی چاہیے کہ وہ ناجائز فرمائشوں سے میزبان کو پریشان نہ کرے ، وقت بے وقت اسے تکلیف نہ دے اور ضرورت سے زیادہ دن گھر پر نہ پڑا رہے۔ اسے یہ بھی چاہیے کہ جاتی مرتبہ اچھے الفاظ سے میزبان کا شکریہ ادا کرے بلکہ ہو سکے تو اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر شکریے کا خط لکھے ۔

کرائے دار مہمان

ان دنوں اکثر لوگ اپنے گھر کے ایک آدھ کمرے کو کرائے پر اٹھا دیتے ہیں اور کرایہ داران کے ساتھ کھانا وغیرہ بھی دام ادا کر کے انہی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ بڑی سہولت کی بات ہے لیکن صرف اُسی وقت جبکہ دونوں طرف اصول اور شائستگی سے کام لیا جائے ورنہ اکثر بر صورت بہت تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے۔

کرائے دار لڑکے کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اس گھر میں منتقل ہونے سے پہلے اپنی تمام عادتیں اور اوقات گھر والے پر واضح کر دے تاکہ وہ پہلے سے یہ فیصلہ کر سکے کہ اس قسم کی عادات اور طریقوں والے کرایہ دار کو رکھنا مناسب ہے یا نہیں۔ کرایہ دار کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنی ذات سے کم سے کم تکلیف پہنچائے۔

مہذب قسم کے کرایہ دار یہ سوچ کر کہ ہم پیسے ادا کرتے ہیں کھانے وغیرہ پر ناک بھوں نہیں چڑھاتے۔ وقت سے گھر میں آکر کھانا کھاتے ہیں اور اگر کوئی خاص چیز پکوانا ہوتی ہے تو نرمی اور تہذیب سے کہتے ہیں۔

گھر میں اپنے اس قسم کے دوست نہیں لاتے جن کی وجہ سے شور اور فساد کا اندیشہ ہو۔ کرایہ دار مہمان کو کبھی حق نہیں پہنچتا کہ گھر کے سکون کو درہم برہم کر دے۔

جب کسی کے گھر میں رہتے ہیں تو پھر رات گئے تک گھر سے باہر نہیں گھومتے،

اپنے وقت مقررہ پر آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ جس گھر میں رہتے ہیں وہ محض ایک کرائے کی جگہ نہیں ہے بلکہ گھر بھی ہے، اس گھر کی پریشانی یا ہنگامی قسم کی ضرورت پر گھر والوں سے ہمدردانہ رویہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس کے لیے اپنا تھوڑا سا وقت ضائع بھی ہو جائے تو بھی اس قسم کی ہمدردی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ کرایے دار کو اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس کی وجہ سے گھر والوں کو کسی قسم کی ذہنی کوفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگرچہ عام طور پر لوگ شخصی آزادی اور حقوق کو بہت اہم سمجھتے ہیں اور ان کو یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے ان کی نقل و حرکت میں بلا ضرورت دخیل ہوں اور وہ آنے جانے میں کسی کے پابند ہوں لیکن اس کا لحاظ کسی کا کرایہ دار بننے سے پہلے کرنا پڑتا ہے، پہلے ہی یہ بات سوچ لینی چاہیے کہ اس قسم کے گھرانے اور طرز رہائش کے لوگوں کے درمیان ہماری عادتیں اور ہمارا طرز زندگی نبھ سکے گا یا نہیں۔

جہاں کرایے دار کو بہت سی باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے وہاں مکان دار کو بھی چند باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مکان دار بلا ضرورت کرایے دار مہمان کی نقل و حرکت میں دخل اندازی نہ کرے۔ اگر وہ کھانا بھی ساتھ کھاتا ہے تو اس کا کھانا وقت پر اور اچھی طرح اس کو ملتا رہے۔ اس سے متعلق جو جو کام مکان دار کے ذمے ہیں وہ بغیر تقاضے اور یاددہانی کے وقت پر ہوتے رہیں۔ اکثر اس کی خاص پسند کا کھانا بھی اس کو پکوا کر کھلاتے رہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ جہاں کرایے دار پر اپنے گھر کے طریقے اور اپنے نقطۂ نظر کو

واضح کیا جائے وہاں اس کا نقطۂ نظر اور اس کی تاویلیں بھی پوچھ لی جاتی ہیں۔ اس طرح اگر کوئی برسوں بھی ساتھ رہتا ہے تو بھی کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہیں ہوتی۔

جہاں کرایے دار مہمان کو کھانے اور کمرے سے متعلق ادائیگی میں پابندی ضروری ہوتی ہے وہاں مکان دار کو بھی لازم ہوتا ہے کہ اس کی مجبوری کو سمجھے اور اگر کسی وقت اس کا ہاتھ تنگ ہے تو اس پر بے طرح تقاضے کرکے اس کی عافیت تنگ نہ کردے۔ ایک بات یہ بھی ضروری ہوتی ہے کہ کرایے دار مہمان کے ساتھ خلوص اور محبت کا سلوک کرنے کے باوجود حد سے زیادہ بے تکلفی کو راہ نہ دینی چاہیے۔ زیادہ بے تکلفی ہو جانے سے آپس کا لحاظ ختم ہو جاتا ہے۔

کرایہ دار لڑکی

اوّل تو اس وقت تک ہمارے ملک میں یہ رواج نہیں ہوا ہے کہ لڑکیاں اپنے گھر اور عزیزوں کے علاوہ غیر گھرانوں میں اقامت پذیر ہوں لیکن بعض ناگزیر قسم کے حالات میں ایسے بھی امکانات ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکیاں بہت زیادہ محتاط رہتی ہیں کہ وہ کسی قسم کے شک اور شبہ کو راہ نہ دیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ وہ پُراسرار طریقے اختیار کرنے سے گریز کرتی ہیں۔

کرایے دار مہمان کا یہ خیال کہ ہم مفت تو نہیں رہتے، کرایہ دیتے ہیں لہذا ہم کو اپنے ہر فعل کا پورا اختیار ہے، بالکل غلط ہے اور ناشائستگی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ انسان کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ انسان کسی بھی چیز

کے دام ادا کرنے کے بعد بھی اپنے اخلاقی اور تہذیبی فرائض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ معاشرے کا یہ قرض اس کی گردن پر ہمیشہ باقی رہتا ہے۔
مکان دار کی طرف سے ہمیشہ یہ احتیاط رہنی چاہیے کہ اس کے ملازمین، بچے یا پالتو جانور کرایہ دار مہمان کا سکون درہم برہم نہ کریں؛ ادھر کرایہ دار کو تھوڑی سی سمائی چاہیئے ہوتی ہے اسے ذرا ذرا سی بات پر شکایت کرنا اور مکان دار کو پریشان اور شرمندہ کرنا لازم نہیں۔

تعارف کرانا

دو اجنبیوں کا آپس میں ایک دوسرے سے تعارف کرانا بظاہر معمولی سی بات ہے لیکن درحقیقت یہ ایک باقاعدہ فن ہے اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ دو انسانوں میں تعارف کراتے وقت اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہو کر خوشی ہو گی۔

ہماری مشرقی تہذیب کا طریقہ تو یہ ہے کہ تعارف کراتے وقت خوردی اور بزرگی کا لحاظ رکھتے ہیں مثلاً خواہ کوئی عورت ہو یا کتنا ہی اُونچا اور اعلیٰ مرتبے والا شخص ہو چھوٹے کو ہمیشہ بزرگ شخص کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حفظ مراتب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ محفل میں یا عام زندگی میں تعارف کراتے وقت یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دو ناجنس لوگوں کا تعارف نہ کرانا ہی بہتر ہے۔ کسی نفیس مزاج عالم یا فنکار کا تعارف اکھڑ قسم کے بے مغز تاجر سے کرانا حماقت کی دلیل ہے۔ دونوں بیزار ہوں گے اور تعارف کرانے والے کی جان کو روئیں گے۔ ایک خدا رسیدہ عالم کا تعارف ایک فاضل دہریئے سے کرانا تو درست ہے لیکن کسی بزرگ اور متقی کا تعارف کسی رند خراباتی سے کرانا مضحکہ خیز ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ پیشے اور طبقے کے اختلاف کی بناء پر تعارف کرایا ہی نہ جاتا ہو۔ بعض وقت اس اختلاف کے باوجود دو انسانوں میں ذہنی مطابقت اور ہم مذاقی موجود ہوتی ہے۔

تعارف کا مغربی طریقہ یہ ہے کہ مرد کو عورت سے متعارف کرایا جاتا ہے اور اسی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مغربی طریقۂ تعارف یہ ہے کہ ہمیشہ معزز سے کمتر کا تعارف کراتے ہیں اور اسی کو پیش کرتے ہیں لیکن خواتین کے معاملے میں استثنا برتتے ہیں اور خواہ کتنی ہی کم رتبہ عورت کیوں نہ ہو اس کے سامنے مرد کو پیش کیا جاتا ہے۔

کسی خاتون کی اجازت لیے بغیر اس سے کسی شخص کو متعارف کرانا نامناسب بات ہے۔

تعارف کراتے وقت ایک دوسرے کا نام بتانے کے ساتھ ہی دونوں کی تعریف میں چند جملے کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً "آپ سے ملئے۔ آپ کو موسیقی سے لگاؤ ہے یا فلاں ساز خصوصیت سے اچھا بجاتے ہیں یا آپ کو نفسیات سے گہری دلچسپی ہے۔ اس قسم کے تعارفی جملے دونوں فریقوں کے لیے گفتگو کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ مغربی طریقۂ تعارف یہ ہے کہ اگر کسی خاتون سے متعارف کرانا ہے تو اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ "بیگم شوکت! اجازت دیجئے تو میں آپ کو اپنے دوست احمد صاحب سے متعارف کراؤں۔ احمد صاحب کو باغبانی سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ کے پاس گلابوں کا بڑا پیارا ذخیرہ ہے۔" اس قسم کے تعارف دونوں میں خصوصیت

سے اچھے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک سمجھدار میزبان خاتون ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتی ہے کہ اس کی محفل میں کوئی شخص بھی بیزار اور کونے میں چُپ نہ بیٹھے۔ وہ مہمانوں کو جوڑوں اور ٹکڑیوں میں اس سلیقے سے تقسیم کرتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے مذاق کے مطابق ہم نشین مل جاتا ہے۔

بعض وقت یُوں بھی ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی دوست یا عزیز ہے اور راہ میں آپ کا کوئی واقف مل جاتا ہے۔ اس وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ ان دونوں کو متعارف کرایا جائے۔ ایسے موقعے پر صرف اس وقت تعارف کرایا جاتا ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ دونوں ایک دوسرے سے مل کر واقعی خوش ہوں گے یا دونوں میں کوئی قدر مشترک ہے۔

صرف بے تکلف محفلوں میں محفل کے تمام مہمانوں کو ایک دوسرے سے متعارف کراتے ہیں۔ بڑی اور پُر تکلف محفلوں میں ہر مہمان کا تعارف ضروری نہیں ہے۔ البتہ کسی بہت ہی اجنبی اور شرمیلے قسم کے مہمان کو اس کے قریب بیٹھنے والوں سے ضرور متعارف کرا دیتے ہیں تاکہ اس کی اجنبیت دُور ہو جائے۔

بعض وقت یُوں بھی ہوتا ہے کہ ہم دو چار آدمیوں کے مجمع میں اتفاقاً پہنچ جاتے ہیں اور صاحب خانہ کو تعارف کرانے کا خیال نہیں رہتا تو اس صورت میں آنے والا خود اپنا تعارف اپنے قریب بیٹھنے والوں سے کرا دیتا ہے۔ مثلاً "مجھے عابد حسن کہتے ہیں، اور آپ کی تعریف ـــ" اور اس طرح دُوسرے بھی اپنا تعارف کروا دیتے ہیں۔

تعارفی خطوط۔ تعارفی خط اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ تعارفی خط

دینا اور تعارفی خط لانے والے سے سلوک کرنا دونوں ہی اہم بات ہیں۔

تعارفی خط دینے میں عجلت ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ پہلے یہ سوچ لیتے ہیں کہ جس کو خط دے رہے ہیں وہ اس قابل بھی ہے یا نہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ جس کے نام خط دیا جا رہا ہے اس کے لیے یہ ایک عذاب بن جائے اکثر لوگ تعارفی خط دے کر ایک شخص کو تو اپنا مشکور کر لیتے ہیں اور دوسرے کو مصیبت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ کسی نئے شہر جاتے وقت اس لیے تعارفی خط چاہتے ہیں کہ وہاں ان کو اجنبی جگہ میں بھٹکنا نہ پڑے اور شہر دیکھنے میں سہولت ہو۔ ایسے لوگوں کو تعارفی خط ان لوگوں کے نام دیتے ہیں جن کو ان کی مدد کرنے میں سہولت ہو۔ ایسے خط بے حد مصروف لوگوں کے نام نہیں دیئے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ جس شخص کو ہم بھیج رہے ہیں۔ اس کا مزاج اور مذاق مکتوب الیہ سے مل بھی جائے گا۔

تعارفی خطوط لکھ کر لفافے میں رکھ کر کھلا لفافہ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں تاکہ وہ اس کو پڑھ کر مطمئن ہو جائے۔

جن لوگوں کے نام تعارفی خط دیئے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق اچھی طرح اس بات کا یقین بھی ہونا ضروری ہے کہ اُس شخص کو ہماری بات کا پاس بھی ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خط لے جانے والا مُنہ کی کھائے۔

تعارفی خط کے مکتوب الیہ کا فرض ہوتا ہے کہ خط لانے والے سے پورے اخلاق سے ملے۔ شائستہ اطوار لوگ تعارفی خط سے خواہ کتنے ہی جز بز اور پریشان کیوں نہ ہوں۔ وہ اس بیچ والے شخص کی بات کی ہر طرح

لاج رکھتے ہیں اور خط لانے والے سے ہر طرح گرم جوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ بدتہذیب لوگوں کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ وہ ایسے موقعے پر خصوصیت سے سرد مہری اور خشکی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا تعارفی کارڈ اور وہ خط بھجواتا ہے جو تعارف کے لیے اس کو دیا گیا تھا تو پھر آپ کا فرض ہے کہ آپ جس طرح بھی بنے اس شخص سے ملیئے، اس کو اپنے گھر کھانے یا چائے پر بلا لیجئے اور اگر یہ موقع نہیں ہے تو پھر ریسٹوران وغیرہ میں چائے پر مدعو کیجیے اور مناسب حد تک اس کی ہر طرح مدد کیجیے۔

تعارفی خط کا جواب بھی اوّلین فرصت میں دینا ضروری ہوتا ہے اور آخری فرض تعارفی خط لینے والے کا ہوتا ہے یعنی یہ کہ جس نے خط دیا تھا اس کا شکریہ اپنا کام بن جانے پر لکھے اور جس نے کام کیا ہے اس کے حُسنِ اخلاق کا اعتراف بھی کرے۔ ساتھ ہی خط لے جانے والا یہ بھی احتیاط رکھتا ہے کہ اُس شخص پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے اور نہ بہت زیادہ توقعات وابستہ کرے اگر وہ اسے کام کرنے سے معذور جانے تو دل میں رنجش کو جگہ نہ دے۔

راہ چلتے شناسا

راہ چلتے شناسا کو پہچاننا اور اس کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنا آدابِ شناسائی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ راہ چلتے شناسا سے کترانے اور آنکھیں چُرا جانے کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ آپ اس شخص سے راہ و رسم بڑھانا نہیں چاہتے۔ ایسی حرکتوں سے بیگانگت اور مروّت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر تو وہ شخص جس سے آپ نے آنکھیں چُرائی ہیں بے ساختہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ؏

'راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بُلائے کیوں'

دراصل سرِراہے گاہے کی سرسری ملاقات اور مروّت بعض وقت بڑے استوار رشتے پیدا کر دیتی ہے۔ چُنانچہ راستے میں ملنے والے شناسا کو دیکھ کر چونکنا، اپنی مصروفیت اور عجلت کے باوجود اس پر مسکراتی ہوئی جانی پہچانی نظر ڈالنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔

مشرق اور مغرب دونوں ہی میں اس بات کا احترام کیا جاتا ہے کہ راہ چلتے شناسا کو یہ محسوس کروائے بغیر آگے نہ بڑھنے دیا جائے کہ تم کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے اور ان کے طریقے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ان کا یہ طریقہ ہے کہ راستے میں اگر کوئی خاتون کسی جان پہچان کے مرد سے ملے تو پہچاننے

اور سلام کرنے میں سبقت اسی کو کرنی پڑتی ہے۔ ان کا یہ دستور ہے کہ اگر کوئی خاتون کسی شخص سے کسی دعوت کے موقع پر یا رقص گاہ میں متعارف ہو چکی ہے تو یہ اس کی طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ اس کو پہچانے یا کترا جائے۔ مرد اس وقت اپنے سر سے ٹوپی اتار کر بائیں ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور سیدھا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن جب راہ میں رُک کر بات کرنے کی مہلت اور ارادہ نہیں ہوتا تو پھر ٹوپی اتار کر اس ہاتھ میں لے لیتے ہیں، جو خاتون کی طرف نہ ہو مثلاً اگر وہ داہنے ہاتھ کی طرف سے گزر رہی ہے تو اُلٹے ہاتھ میں ٹوپی لے لیں گے اور اگر بائیں ہاتھ کی طرف ہے تو ٹوپی سیدھے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اگر راستے میں ملنے والی خاتون سے کچھ ضروری بات کرنی ہی پڑ جاتی ہے اور اُس کی ہمراہی میں چلنا ہوتا ہے تو اس کے خریدے ہوئے سامان کے بنڈل اس سے لے کر خود اُٹھا لیتے ہیں۔

ہمارے مُلک میں چونکہ عورت اور مرد کا ملنا جُلنا اور خواتین کا عام طور پر بازاروں میں گھومنا ہی مغربی تہذیب سے متعارف ہونے کے بعد عام ہوا ہے۔ اس لیے تقریباً یہی دستور روا رکھتے ہیں۔ البتہ مشرقی خاتون اس معاملے میں ذرا زیادہ خوددار ہوتی ہے اور اس کو یہ توقع ہوتی ہے کہ راہ میں ملنے والے صاحب اس کو پہچاننے اور سلام کرنے میں سبقت کریں۔ چنانچہ ہمارے یہاں اس کا پورا احترام کیا جاتا ہے اور ہمیشہ مرد ہی سلام اور پہچاننے میں سبقت کرتے ہیں۔

ایک بات کی اور بھی احتیاط رکھی جاتی ہے اور وہ یہ کہ بلا وجہ ہی

راستے کی ملاقات کو طول نہ دینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ جس کو آپ نے روک رکھا ہے اس کا کوئی بہت ضروری کام حرج ہو رہا ہے۔ جب آپ کو خود عجلت ہو اور رکنے کا موقع نہ ہو تو جنبشِ سر سے پہچانیے۔ اگر کوئی خاتون ملی ہیں اور آپ کے سر پر ٹوپی بھی ہے۔ تب تو آسانی سے آپ ٹوپی مخالف سمت والے ہاتھ میں پکڑ کر سلام کیجیے اور گزر جائیے۔ اگر کوئی ہم جنس ہے تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیجیے، مسکرائیے اور نکل جائیے۔

بے تکلف دوستوں کو اختیار ہے کہ ایک دوسرے سے پوچھ کر کہ ضروری کام تو نہیں ہے رک کر بات کر سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح نہیں کہ آپ راہگیروں کے لیے جنکشن ہی کر رہ جائیں۔ ایک بات یہ ہے کہ راستے میں باتیں کر کے زور زور سے قہقہے مارنا، بات بات پر ہاتھ ملانا اور ایک دوسرے کے کندھے تھپتھپانا، دوستوں کی کمر میں ہاتھ ڈالنا سخت معیوب حرکتیں ہیں۔ ایسی بے تکلفی کے لیے ہوسٹل کے کمرے اور گھر موجود ہیں۔

ایک اور بات کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ کے ہمراہ کوئی دوسرا شخص ہے خواہ وہ کوئی دوست یا عزیز ہو، بڑا آدمی ہو یا بچہ، اس وقت راستے کی ملاقات کو مختصر کر دیجیے تاکہ وہ شخص کھڑے کھڑے سوکھتا نہ رہے۔

ریڈیو اور ٹیلیفون

ٹیلیفون اور ریڈیو جدید دور کی برکتیں ہیں لیکن یہ رحمتیں غیر شائستہ ہاتھوں میں پڑ کر زحمتیں بھی بن جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ ان چیزوں کے استعمال میں بھی سلیقہ اور شائستگی برتی جاتی ہے۔ ریڈیو کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ یہ اپنی دلچسپی اور سُود مندی کے وجود ایک حد تک ہی استعمال کیا جائے۔ اور اس کے کھولنے کے اوقات مقرّر ہوں۔ ہر شخص کو گھر کے دُوسرے افراد کی دلچسپی، پسند اور ضرورت کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور ساتھ ہی اپنی اپنی پسند کے پروگرام سننے کا ہر شخص کو موقع دیا جاتا ہے۔ دُوسرا اصُول، محلّے والوں اور گھر والوں کے کام اور اوقات میں مخل نہ ہونے کا ہے۔ گھروں میں ریڈیو دھیمی آواز سے بجایا جاتا ہے، اُونچی آواز میں ریڈیو بجا کر گھر کو پنواڑی کی دکان بنانے سے احتراز کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں کی موجودگی میں یہ احتیاط اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ ہر ممکن احتیاط کی جاتی ہے کہ امتحان دینے والوں کی پڑھائی میں خلل نہ پڑے۔

کسی کی طبیعت خراب ہو یا گھر کے کسی فرد کو پریشانی لاحق ہو اس وقت بھی ریڈیو لگانا خصوصاً گانوں اور موسیقی کے پروگرام سننا بدتہذیبی سمجھی جاتی ہے۔

پڑوس میں موت واقع ہو جائے تو چند روز تک طربیہ پروگرام اونچی آواز سے سُننا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اگر اپنے دل میں مذہبی خیال موجود نہ ہو تو بھی گرد و پیش کے مذہبی خیالات کے لوگوں کا احترام ضروری ہوتا ہے مثلاً عین اذان کے وقت ریڈیو بند کر دیا جاتا ہے۔ قریب کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو تو اس وقت بھی احتراماً ریڈیو نہیں بجاتے۔

ٹیلیفون

ٹیلیفون استعمال کرنے کے آداب بہت ضروری ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ٹیلیفون سُننے کے آداب ہیں۔ گھنٹی کی آواز سُنتے ہی چونگا اٹھا کر نرمی اور شائستگی سے اپنا نمبر بتاتے ہیں تاکہ فون کرنے والا خواہ مخواہ آپ سے بات چیت کی اُلجھن میں نہ پڑے، اگر نمبر غلط مل گیا ہے تو وہ آہستگی سے فون بند کر دے گا۔ اگر نمبر صحیح ہے تو اپنا نمبر یا اپنے ادارے کا نام بتا کر یہ دریافت کر لیتے ہیں کہ "فرمایئے۔ آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

ٹیلیفون پر بات ہمیشہ دھیمے اور واضح لہجے میں کرنی چاہیئے۔ کوشش یہ کرتے ہیں کہ لب و لہجہ اور مزاج میں گرمی نہ آنے پائے۔ بات مختصر کی جاتی ہے اور جامع۔ فون پر بات کرتے وقت اس بات کی خاص احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ الفاظ اور باتوں کی تکرار نہ ہو۔ ایک ہی نمبر کو دیر تک اُلجھائے نہ رکھیں۔ ان باتوں کا لحاظ خاص طور پر دفتروں اور محکموں میں خیال رکھنا چاہیئے ان لوگوں کا وقت قیمتی ہوتا ہے اور تھوڑے وقفے میں ان کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔

کسی اچھے اور تعلیم یافتہ شخص کے لیے ٹیلیفون پر یاوہ گوئی کرنے کا تو احتمال ہی نہیں لیکن اکثر بد اطوار اور ناشائستہ لوگ ٹیلیفون پہ یاوہ گوئی ہی کو سب سے بڑا مذاق تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا علاج دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ بیہودہ بکنے والوں سے اُلجھنے کے بجائے خاموشی سے رسیور واپس رکھ دیتے ہیں یا اگر بار بار پریشان کریں تو پھر اس خاص نمبر پر جو شکایات کے لیے مخصوص ہوتا ہے اپنی شکایت درج کرا دیتے ہیں۔

محلّے میں اگر کسی شخص کے یہاں ٹیلیفون لگا ہوتا ہے تو اس کا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دوسروں کو اس کے استعمال کی اجازت دے اور اگر کسی کا ضروری پیغام کسی کے نام آئے تو اس تک پہنچا دے۔ ساتھ ہی ٹیلیفون استعمال کرنے والوں کو یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ وہ دوسرے کے لیے مصیبت نہ بن جائیں اور وقت بے وقت ذرا ذرا بات پر ان کے یہاں فون استعمال کرنے نہ پہنچتے رہیں۔ جن جگہوں اور شہروں میں ٹیلیفون کے پیسے لگتے ہیں، اس کے پیسے ضرور ادا کرنے چاہئیں۔ یا پھر یوں کرتے ہیں بعض لوگ جن کے گھر فون ہوتا ہے کسی طرح سے پیسے لینے پر راضی نہیں ہوتے اور تکلف کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ کم سے کم اور اشد ضرورت کے وقت ہی ان کے فون کو استعمال کیا جائے۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر صاحبِ خانہ کی طرف سے فون استعمال کرنے کا اذنِ عام مل بھی جائے تو بھی اپنی طرف سے احتیاط رکھتے ہیں اور اس کا نمبر کم سے کم لوگوں کو اشد ضرورت کے وقت ہی دیتے ہیں۔ تاکہ اس کی خوش اخلاقی

اور مروّت اس کے لیے مصیبت نہ بن جائے۔

اگر اتفاق سے نمبر غلط مل جائے تو بڑی خوش اخلاقی سے معذرت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت آپ کی گفتگو کے دوران میں کسی اور شخص کی گفتگو سُنائی دینے لگتی ہے، آپ اس کی بات سنتے ہیں اور وہ آپ کی۔ ایسے موقع پہ اس سے نرمی سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ ذرا فون بند کر دیں اور اگر وہ آپ سے کہتا ہے تو آپ بند کر دیتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ فون تعلقات استوار رکھنے اور فاصلوں کو ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اس کی موجودگی میں فاصلے اور زیادہ ہو جائیں تو فون کا فائدہ ہی کیا؟

مقاماتِ عامہ

'مقاماتِ عامہ' یعنی پبلک مقامات ہیں پارک، سینما، اوپن ائیر تھیٹر، اسپتال، ریلوے اسٹیشن، عجائب گھر، چڑیا گھر، اسٹیڈیم اور تاریخی عمارتیں وغیرہ شامل ہیں۔

پبلک مقامات پر خاموشی اور صبر دو عام اور ضروری اُصول ہیں۔ ان کے بغیر پبلک مقامات کا پُورا احترام ممکن نہیں۔ پھر بھی ہر جگہ کے آداب ضروری ہوتے ہیں۔

باغوں اور پارکوں میں سب سے زیادہ احتیاط یہ رکھتے ہیں کہ روشوں کو خراب نہ کریں، پودوں کو کُچلنے سے باز رہیں پھل اور پھُول نہ توڑیں۔ فضول کی گندگی اور کوڑا کرکٹ نہ پھیلائیں۔ دوسرے تفریح کرنے والوں کی طرف اشارے کرنے اور گھور گھور کر دیکھنے، ان پر آوازے کسنے سے قطعاً باز رہیں۔ عام طور پر ایسے مقامات پر محکمے کی طرف سے ہدایات لکھی ہوتی ہیں۔ داخلے کے وقت ان کو پڑھیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

سینما ٹکٹ قطار بندی کے اُصول پر خریدیئے۔ بلیک میں اور بغیر باری کے خریداری کو فروغ نہ دیجئے۔ انتظار کا وقت ہمیشہ سینما کے باہر یا کمرۂ انتظار میں گزاریئے۔ حجت اور بحث سے احتراز کیجیے۔ سینما دوبارہ

آکر بھی دیکھا جا سکتا ہے لیکن اخلاقی پستی کے مظاہرے کے بعد اس کا کفارہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ سینما کے ہال میں سگریٹ مت پیجئے، اور تصویر شروع ہونے پر خاموشی سے دیکھئے۔ اپنے ریمارک اور خیالات تصویر کے دوران میں شروع نہ کر دیجئے۔ اس طرح بیٹھئے کہ بلا وجہ پیچھے بیٹھنے والوں کی تفریح میں حائل نہ ہوں۔

ہیجان انگیز مناظر کو خاموشی سے دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر آپ گھٹیا درجہ میں بھی بیٹھے ہیں تو بھی بعض مناظر کو دیکھ کر سیٹیاں بجانے، تالی پیٹ دینے اور مخرب اخلاق قسم کی آوازیں نکال لینے یا فحش ریمارکس کسنے کا جواز آپ کو نہیں مل سکتا۔ اگر آپ نے گھٹیا درجے کا ٹکٹ لیا ہے تب تو خود کو اونچا ثابت کرنے کی اور زیادہ ضرورت ہے۔

اسٹیشن

اسٹیشن نہ وقت سے بہت پہلے پہنچ جائیے اور نہ عین گاڑی چھوٹتے وقت۔ افراتفری کے عالم میں پہنچ کر اسٹیشن کے عملے اور خود کو بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ اسٹیشن پر سکون اور انتظام سے کام لینا ضروری ہوتا ہے۔ قلیوں سے جھک جھک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا نمبر اور نرخ مزدوری دیکھنے کے بعد سامان اٹھوائیے۔ یہ کوشش نہایت ناقص اور واہیات سمجھی جاتی ہے کہ انسان کم سے کم پیسے دے کر دھاندلی یا دھونس جما کر زیادہ سے زیادہ کام لے۔

ریل کے ڈبے میں سکون سے چڑھیے۔ جگہ پر جھگڑا کرنا سخت بد اخلاقی میں شامل ہے۔ اگر مسافر زیادہ ہیں تو زیادہ سے زیادہ کوشش یہی کیجئے کہ

تمام مُسافر ایک حالت سے ڈبے میں سفر کر سکیں - یہ نہ ہو کر ایک بیٹھا ہے
ایک لیٹا ہے اور ایک دروازے کے سہارے لٹک رہا ہے -

ضعیفوں، بچوں اور بچے والی خواتین کا لحاظ رکھتے ہیں - خاص طور پر
حاملہ خواتین کو بے آرامی اور دھکم پیل سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے -
ہم سفروں سے اُوٹ پٹانگ سوال کرنا دُرست نہیں ہوتا لیکن اس طرح
سفر کرنا بھی انسانیت کے خلاف ہے کہ جیسے دو گائیں یا بیل ساتھ بیٹھے ایک
دوسرے سے بے مطلب مُنہ اٹھائے اپنی جگالی میں مصروف ہیں - ریل کے ڈبّے
کو صاف رکھنے کا خصوصیت سے خیال رکھا جاتا ہے تاکہ ڈبّے کی غلاظت اور
بدبو سفر کو عذاب نہ بنا دے -

گاڑی سے یکے بعد دیگرے اُترنا اور سکون سے سامان اتروانا بہت
ضروری ہوتا ہے -

اسپتال

اسپتال ایک اور ایسا مقام ہے جہاں بڑی احتیاط برتی
جاتی ہے اور وہاں کے سکون اور خاموشی کو ہر حال میں مقدم
سمجھا جاتا ہے -

اسپتال میں مقررہ اوقات ہی میں جاتے ہیں اور ملاقات کا وقت ختم ہوتے
ہی واپس ہو جاتے ہیں - شور کرنے والے جوتے پہن کر اسپتال نہیں جاتے - نہ ہی
وہاں کے زینوں پر دھڑا دھڑ چڑھتے اُترتے ہیں -

وارڈوں اور کمروں میں داخل ہوتے وقت دروازوں کا خاص خیال رکھتے
ہیں، بڑی آہستگی سے دروازہ بند کرتے ہیں - اپنے پیچھے دروازے کُھلے نہیں

چھوڑتے ۔ اگر جنرل وارڈ کے مریض کی عیادت کے لیے جانا ہے تو اپنے مریض سے بہت آہستہ آواز میں گفتگو کرتے ہیں، دوسرے مریضوں کی خیریت بھی دریافت کرتے ہیں اور تسلی آمیز گفتگو کرتے ہیں۔ بیماروں کے سامنے دوسروں کی موتوں اور خراب انجام کا ذکر نہیں لاتے۔ معالجوں اور نرسوں کے مشورے سے کھانے کا سامان لاتے ہیں۔ اسپتال کے وارڈ میں متعین عملے یعنی نرسوں، وارڈ قلیوں اور ڈریسر وغیرہ کو بلا وجہ انعامات اور پیسے دے کر ان کو لالچی بناتے اور اپنے مریض کو خصوصیت دے کر دوسرے مریضوں کی طرف سے لاپرواہ کرتے کو نہ تو اسپتال ہی میں اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور نہ یہ پسندیدہ حرکت ہے۔

اسپتال میں بچے لے کر جانا بھی بے تکے پن میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ بچے نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں اور نہ مریضوں کو چین لینے دیتے ہیں۔ ایک اور بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ اپنے کسی عزیز یا دوست کی عیادت کو گئے ہیں تو پورے وقت اس کو اپنی ہی باتوں میں مشغول نہ رکھیے بلکہ اس کے قریبی رشتے داروں کو بھی بات چیت کا موقع دیجیے۔ عیادت سے فارغ ہو کر جتنی جلدی باہر چلے جائیں اسی قدر بہتر ہوتا ہے۔

جنرل وارڈ کے مریضوں کے علاوہ پرائیویٹ وارڈ میں بھی چند باتوں کا ضرور خیال رکھا جاتا ہے مثلاً یہ کہ کمرے میں یا برآمدے میں کھڑے ہو کر زور زور سے باتیں کرنا اور قہقہے لگانا سخت معیوب حرکت ہے۔ کمرے میں کرسیاں اور اور چیزیں آہستگی سے رکھتے ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ برابر والے کمرے میں شور نہ جائے۔ اگر مریض اپنے کمرے میں ریڈیو رکھتا ہے تو انتہائی دھیمی

آواز سے بجانا چاہیئے۔

ملاقات کا وقت ختم ہوتے ہی عیادت کے لیے آنے والوں کو کمرہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اسپتال کے کمپاؤنڈ میں موٹر کا ہارن بجانا، مریضوں کے کمرے کے آگے زور زور سے چلنا، باتیں کرنا، قہقہے لگانا سخت معیوب حرکتیں ہیں۔

چڑیا گھر چڑیا گھر جاتے وقت جانوروں، پرندوں اور مچھلیوں کے کھلانے کو چنے، مرمرے اور پھل ضرور لے لیتے ہیں۔ بچوں کو خطرناک جانوروں کے پنجروں سے کچھ فاصلے پرے کر کھڑے رہتے ہیں۔ بندروں اور دوسرے جانوروں کے پنجروں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کو پریشان کرنا بھی ناپسندیدہ حرکتیں ہیں۔ ایسے مقامات پر نگران curator کی طرف سے جو احکامات وغیرہ لگائے جاتے ہیں ان کا پورا احترام کرنا ضروری ہوتا ہے۔

عجائب گھر تاریخی عجائب گھر، آثارِ قدیمہ، کھنڈر وغیرہ دیکھنے کے لیے کسی رہبر یا گائڈ کو ساتھ لینا بہتر ہوتا ہے اس سے چیزوں کی تفصیلات زیادہ آسانی سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ قدیم چیزوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک زہریلی دوا لگا دیتے ہیں۔ اس لیے ان چیزوں کو ہاتھ لگائے بغیر دُور سے دیکھتے ہیں۔ ہر ایک چیز کے قریب کسی تختی یا فریم میں اس کے متعلق تفصیلات لکھی ہوتی ہیں۔ ان کو بغور پڑھ لیتے ہیں تا کہ معلومات صحیح طور پر فراہم ہو سکیں۔ تاریخی عمارات، عجائب گھر اور مقبروں کو دیکھتے وقت خاموشی اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ دیواروں پر یا کہیں اور اپنا نام وغیرہ لکھنا انتہائی بدتہذیبی کی نشانی ہے۔ ایسا کبھی صورت نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر ایسے مقامات پر گئے جانے

والوں کے لیے رجسٹر وغیرہ رکھا ہو تو اس میں مطلوبہ تفصیلات ضرور درج کر دیتے ہیں۔

ہوٹل یا ریسٹ ہاؤس

اکثر ہوٹلوں کا تو یہ دستور ہے کہ کمرے کے کرایے ہی میں کھانے اور ناشتے کے دام بھی شامل ہوتے ہیں۔ لیکن بعض ہوٹلوں میں کمرے کے کرایے میں کھانے کے دام شامل نہیں کیے جاتے۔ اس سلسلے میں یہ بات اس وقت ضرور یاد رکھنی چاہیئے جب آپ کسی غیر ملک میں ہوں۔ عام طور پر امریکی طرز کے ہوٹلوں میں زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ کمرے کا کرایہ الگ ہوتا ہے اور کھانے ناشتے کے دام الگ سے لیے جاتے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ کسی ہوٹل، ریسٹ ہاؤس یا کلب کے کمرے میں قیام کے لیے جانے سے پہلے معلوم کر لیتے ہیں کہ وہاں جگہ ہے بھی یا نہیں۔ جگہ ہو تو کمرہ پہلے سے مخصوص Reserve کرا لیتے ہیں تاکہ اچانک پہنچ جانے کی صورت میں مایوسی نہ ہو۔ خط، تار یا ٹرنک کال غرض جیسا بھی موقع ہو اس ذریعے سے تمام باتیں طے کرنے کے بعد ہی رختِ سفر باندھتے ہیں۔ معلومات کے سلسلے میں کچھ باتوں کے متعلق ہمیں خود لکھنا پڑتا ہے اور کچھ باتیں خصوصیت سے دریافت کرنی ہوتی ہیں مثلاً (۱) اپنی آمد کے وقت کی صحیح اطلاع (۲) مطلوبہ کمروں کی تعداد (۳) آپ کے ساتھ کتنے لوگ ہیں (۴) کتنے دن ٹھہرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی دریافت کرنا ضروری ہے کہ کمروں کا محلِ وقوع کیا ہے۔ اوپر کی منزل میں ہیں، درمیانی منزل میں یا پھر الگ تھلگ کمرہ ہے

یہ تمام باتیں پہلے سے طے کر لینی چاہئیں۔

ہوٹل پہنچنے کے بعد اپنا سامان اندر لے جانے سے پہلے اپنے آپ کو رجسٹر کروا لیجئے۔ کلرک آپ کو فارم دے گا۔ اس کو خوش خط اور صفائی سے پُر کر دیجئے۔ اپنا پورا نام پتہ مع کُنبے کے ناموں کے فہرست میں درج کیجئے۔ رجسٹر کرانے کے بعد کلرک ہوٹل کے ملازم کو کمرے کی چابیاں دے گا۔ ملازم سامان لگا چکے تو ملازم کو مختصر سا انعام دے کر رخصت کر دیجئے۔

بڑے اور غیر ممالک کے ہوٹلوں کا قاعدہ ہے کہ ٹیلیفون کی میز پر یا کمرے میں ایک فہرست رکھی ہوتی ہے جس میں درج ہوتا ہے کہ ہوٹل کے کارکن آپ کی کن کن ضرورتوں کی ذمہ داری لیتے ہیں اور آپ ان سے کس قسم کی توقعات رکھ سکتے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ آپ کو ان سے کسی اور سہولت کا متوقع نہیں رہنا چاہیے۔

اگر کھانا یا ناشتہ کمرے پر منگانا ہوتا ہے یا بستر ہی میں چائے پینی ہوتی ہے تو اس کے لیے علیحدہ سے پیسے ادا کرتے ہیں۔ ہوٹل کا ملازم ناشتہ یا چائے کمرے میں پہنچا دے گا۔ غیر ممالک میں چیک کاٹتے وقت ہوٹل کے ملازم کے انعام کی رقم بھی شامل کر دیتے ہیں اور چیک کے نیچے لکھ دیتے ہیں کہ اتنی رقم بیرے کے انعام کی شامل ہے۔

بڑے ہوٹلوں میں، خواہ وہ دیسی ہوں یا غیر ملکی، قاعدہ ہے کہ ہوٹل کے رہنے والوں کے چال چلن پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ اُن کی آمد و رفت کے اوقات اور ملاقاتیوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی تنہا مرد یا عورت رات گئے اپنی خوابگاہ

میں کسی مخالف جنس کے ملاقاتی کو بلائے تو وہ اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اس مقصد کے لیے کمرۂ ملاقات موجود ہوتا ہے۔ اگر آپ اور آپ کا ملاقاتی شوریدہ سر نہیں ہے تو جب تک چاہیے اس کو وہاں ٹھیرائیے۔

اگر کسی خاتون کے پاس صرف ایک خواب گاہ والا ہی کمرہ ہے تو پھر وہ اپنے مرد ملاقاتی کو عام نشست گاہ میں بٹھاتی ہے۔ یہ کمرہ ہر ہوٹل میں عام ملاقات کے لیے موجود ہوتا ہے۔ اگر کاروبار کے سلسلے میں کوئی سیکرٹری ساتھ ہوتی ہے تو پھر اس کا رات گئے تک مالک کے ساتھ بیٹھنا قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ البتہ یہ احتیاط ضرور برتی جاتی ہے کہ سیکرٹری کو مالک اپنے کمرے میں بٹھاتا ہے۔ رات کے وقت سیکرٹری کے کمرے میں بیٹھنا معیوب خیال کرتے ہیں۔

کسی ہوٹل میں قیام کے خیال سے جائیے تو اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ سامان ضرور لے جائیے۔ کم سے کم سفری تھیلا تو ضرور ہی لے لیجئے۔ بغیر کسی سامان کے آنے والا شخص مشتبہ اور ناقابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے خصوصاً کسی خاتون کا اس طرح آنا بہت معیوب معلوم ہوتا ہے۔

ہوٹل میں ملاقاتیوں کو بلانے کا بھی ایک دستور ہوتا ہے۔ اگر ملاقاتی کی آمد کا آپ کو علم ہے تو پھر تو وہ بلاتکلف آپ کے کمرے پر آسکتا ہے لیکن نیا اور غیر متوقع ملاقاتی جب آتا ہے تو پہلے کلرک کے پاس جاکر اپنی آمد کی اطلاع آپ کو بھیجتا ہے اور وہاں ٹھیر کر آپ کے جواب کا انتظار کرتا ہے۔ عام طور پر دیسی ہوٹلوں میں لباس کی بندش نہیں ہوتی لیکن اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں

اور غیر ممالک کے ہوٹلوں میں ہفتے کی شب کے لیے لباس کی پابندی ضروری
ہوتی ہے۔ یوں تو شام کے وقت اور ڈائننگ ہال میں جب چاہیں آدمی
لباس پہن کر جا سکتے لیکن ہفتہ کی شب کے لیے ضرور لباس کی پابندی کرنا
ہوتی ہے۔ اس قسم کی پابندی کے لیے عام طور پر ایک ہدایت نامہ کمرے
میں لگا ہوتا ہے، اسی کے مطابق لباس پہنتے ہیں۔

ڈائننگ روم میں اکیلے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ عورت یا مرد
دونوں ہی تنہا کھا سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ کتاب، رسالہ یا اخبار لے جانا چاہیے
تاکہ تنہا بیٹھ کر آپ نہ دوسروں کو ٹکر ٹکر نہ دیکھیں نہ ہی قریب بیٹھے ہوئے لوگوں
کو گھوریں۔

ہوٹل کی طرف سے جو فرنیچر، باصابن، تولیہ، بالٹیاں وغیرہ آپ کو مہیا
کی جاتی ہیں۔ ان کی حفاظت اور احتیاط کی ذمہ داری آپ پر ہوتی ہے۔
چلنے سے پہلے اپنا بل منگوانے کے ساتھ ہوٹل کے آدمی سے کہیے کہ وہ کمرے
اور غسلخانے کی چیزوں کا جائزہ لے لے۔ جس دن جانے کا خیال ہو اس دن
بل وغیرہ ادا کرنے اور کمرے کی چیکنگ کے لیے ٹھہرنے کا یہ طریقہ ہے کہ
سامان باندھ کر ہوٹل کے دفتر میں رکھوا دیتے ہیں۔ چلنے سے پہلے ہوٹل کے
ملازمین، ہیڈ ویٹر، بیرے، کمرے پر کام کرنے والے خاص آدمی، بھنگی وغیرہ
کو انعام دینا ضروری ہوتا ہے۔

ریسٹوران

ریسٹوران ہر شہر میں موجود ہوتے ہیں اور کون ایسا شخص ہے
جو ان میں جاتا یا بیٹھتا نہ ہو۔ لیکن یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض

لوگ اپنی ناواقفیت کی بناء پر نہ صرف اپنے کو بے مزہ کرتے ہیں بلکہ ریستوران کے کارکنوں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔

اچھے اور اُونچے قسم کے ریستورانوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ داخلے کی شرائط پورا کرنے والے ہی اندر آسکتے ہیں۔ عام طور پر یہ شرائط باقاعدہ اور معقول قسم کا لباس پہن کر آنے، نقد دام ادا کرنے اور تہذیب اور شائستگی سے بیٹھنے پر مشتمل ہوتی ہیں۔

جن ریستورانوں میں کلوک روم ہوتا ہے وہاں ہیٹ اور کوٹ اتار کر رکھوا دیتے ہیں۔ لیکن خواتین اپنے کوٹ نہیں اتارتیں البتہ اپنے ہاتھوں کے بیکٹ اور چھتری وغیرہ رکھوا دیتی ہیں۔

میز کا انتخاب

ریستوران میں داخل ہوتے ہی بلا تامّل اندر گھس کر اِدھر اُدھر میز تلاش کرتے پھرنا ٹھیک نہیں سمجھا جاتا۔ دروازے پر ریستوران کا آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ وہ آپ کو مناسب میز خود ہی بتا دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی بناء پر وہ میز آپ کو یا آپ کے ساتھ کی خواتین یا احباب کو ناپسند ہے تو پھر آپ کسی دوسری میز کے لیے اس سے کہہ سکتے ہیں۔ جب کسی کو کسی ریستوران میں مدعو کرنا ہوتا ہے تو اس غرض کے لیے پہلے سے ریستوران کے مینجر سے بات کر لیتے ہیں اور میز وغیرہ مخصوص کرا لیتے ہیں۔ اور اگر اتنا وقت نہیں ہوتا اور اچانک ہی پروگرام بن جاتا ہے تو پھر آپ کو ہیڈ ویٹر کو بتانا پڑتا ہے کہ کتنے آدمیوں کے لیے میز تیار ہونی ہے۔ ریستوران میں بہترین جگہ یا میز وہ سمجھی جاتی ہے جو دروازے کے عین برابر نہ ہو اور نہ ہی

باورچی خانے سے قریب ہو۔ ہیڈ ویٹر آپ کے ساتھ والی خاتون کے لیے موزوں ترین کرسی کھینچ کر پیش کرے گا۔ خاتون کو بیٹھنے سے قبل کوٹ اتار دینا چاہیئے۔ غیر ملکی ریستوران میں یہ خدمت خود ہیڈ ویٹر انجام دیتا ہے۔ اگر کئی مردوں کے ساتھ صرف ایک خاتون ہوتی ہیں تو اس کی نشست اس طرح ہوتی ہے کہ اس کا رُخ سب کی طرف یکساں رہے۔

اگر کئی لوگ اور کئی خواتین ہوں تو یہ التزام رکھتے ہیں کہ خواتین مردوں کے درمیان میں بیٹھیں۔ سب سے مناسب اور موزوں ترین جگہ خصوصی اور معزز مہمان کو پیش کی جاتی ہے۔ یہ بھی اہتمام رکھتے ہیں کہ مدعو کرنے والا پارٹی کے ہر شخص کی طرف متوجہ نظر آئے۔ ساتھ ہی دوسروں کو بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ وہ بھی مُنہ پھلائے ہوئے اور دوسروں سے بے نیاز نظر نہ آئیں۔ اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھیں۔ نہ ہی کسی کی طرف اشارہ کر کے بات کریں۔ اگر یہ ضروری ہے کہ کوئی قضیہ یا تصفیہ ریستوران میں طے کیا جائے تو پھر پوری احتیاط رکھتے ہیں کہ اس قسم کی گفتگو کے دوران میں ناگواری کا پہلو پیدا نہ ہو تو حجت اور تکرار کا موقع نہ آنے دیں۔ ریستوران میں بیٹھ کر پوری آواز میں باتیں کرنا اور میز پر ہاتھ مار مار کر تکرار کرنا آداب کے سخت خلاف ہے۔

کھانے کا انتخاب

ہر ہوٹل یا ریستوران کے پاس کھانوں کی ایک فہرست موجود ہوتی ہے جس کو مینو کہتے ہیں۔ مینو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن میں علیحدہ علیحدہ ہر کھانے کی قیمت دی ہوئی ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں پورے

ناشتہ، کھانے اور ڈنر کی قیمت درج ہوتی ہے۔ ایسے مینو میں کھانوں کے انتخاب کے وقت ہر ہر چیز کی قیمت کا لحاظ نہیں رکھنا پڑتا ہے بلکہ کسی قسم کے بھی لنچ یا ڈنر کا آرڈر دے کر مقررہ قیمت ہر حال میں دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو غیر ملکوں میں جاتے ہیں۔ ان کے لیے خصوصیت سے مینو کے اس فرق کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ ہر ریسٹوران میں دونوں اقسام کے مینو موجود ہوتے ہیں

(۱) آلاکارتے Ala Carte (۲) ٹیبل دا ہوتے میلز Table dé hote Meals

Ala Carte کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی مرغوب چیزیں طلب کرکے ہر چیز کے الگ الگ دام ادا کرسکتے ہیں۔ Ala - Carte میں سے طلب کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہر چیز آپ کو موخرالذکر قسم کے مینو کے مقابلے میں زیادہ مقدار میں دی جائے گی۔ اس قسم کے مینو سے منگایا ہوا ڈنر یا لنچ زیادہ مہنگا پڑتا ہے۔

Table de' hote Meals میں مکمل ڈنر یا لنچ نسبتاً کم قیمت میں اور Ala Carte کے مجموعی اجزاء کی بہ نسبت کم مقدار میں پیش کیا جاتا ہے۔

اکثر بہت زیادہ گراں ہوٹل عام طور پر جو مینو پیش کرتے ہیں اس میں قیمت درج نہیں ہوتی۔ لیکن آپ ان سے قیمتیں درج کیا ہوا مینو طلب کرسکتے ہیں اور مناسب یہی ہوتا ہے کہ انسان بعد میں اپنی غلطی پر شرمسار ہونے کے بجائے اپنی جیب کا اندازہ پہلے ہی کرے۔ اگر مینو کی قیمتوں کی جیب اجازت نہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ آہستگی سے اٹھ جائیں اور ہیڈ ویٹر کو شگفتگی سے

بتادیں کہ بھئی ہم نے ارادہ بدل دیا ہے۔

کھانے کے لئے آرڈر دینا

جب عورت کسی مرد کی ہمراہ ہو تب تو کھانے کا آرڈر مرد کی طرف سے تصور ہوتا ہے۔ فہرست طعام (مینو) عورت کو دے دیتے ہیں وہ ساتھ والے مرد کی جیب کا اندازہ کرتے ہوئے اسی قدر چیزوں کی فرمائش کرتی ہے، جس قدر کی ادائیگی مرد پر گراں نہ گزرے۔ اگر کبھی کوئی خاتون خیال کئے بغیر Ala Carte Meal کی فرمائش کر دیتی ہے تو پھر مرد کا فرض ہے کہ پہلے کوئی اشتہا انگیز چیز سوپ وغیرہ منگوائے اور پھر اس کے بعد حسب فرمائش کھانے کا آرڈر دے۔ کھانے کی فرمائش عورتیں نہیں کرتی ہیں۔ البتہ ایسے موقع پر جب کہ بہت سے لوگ مدعو ہوں تو ہیڈ ویٹر اکثر اس خیال سے کہ مختلف لوگوں کی پسند اور فرمائش میں گڑبڑ نہ ہو فرداً فرداً ہر ایک سے اس کی فرمائش کے متعلق استفسار کرتا ہے۔ ایسے موقع پر البتہ خواتین بھی فرمائش کر سکتی ہیں۔ جب صرف عورتیں ہی عورتیں ریسٹوران میں کھا رہی ہوں تو پھر آرڈر وغیرہ دینے کا کام وہ خاتون انجام دیتی ہے جس کی طرف سے دعوت دی گئی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام خواتین الگ الگ فرمائش کرتی ہیں۔

صرف مرد ہی مرد کھا رہے ہوں تو ہر مرد اپنی اپنی فرمائش خود کر سکتا ہے۔ البتہ بل صرف میزبان مانگتا اور ادا کرتا ہے۔

کھانوں کے غیر مانوس نام

کسی بھی شخص سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ دیس دیس کے تمام کھانوں سے

واقف ہو۔ اس لیے غیر مانوس قسم کے کھانوں کے ناموں کے متعلق ویٹر سے استفسار کرنے میں چنداں حرج نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ کسی مانوس کھانے کے متعلق یہ استفسار کرنا نامناسب سمجھا جاتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں چیز ڈالی ہے یا نہیں مثلاً بریانی میں ادرک، لہسن ڈالا ہے؟ اس قسم کے سوال بے محل اور بے تکے تصور کیے جاتے ہیں۔

ویٹرس یا ویٹر کو بلانا

ویٹرس یا ویٹر کو بلانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت وہ اپنی طرف دیکھتا ہو تو اس کو آنکھ کے اشارے، سر کے اشارے یا کبھی ہاتھ دکھا کر اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اکثر یوں بھی کرتے ہیں کہ پاس گزرتے وقت دھیمی آواز سے اس کو بلاتے ہیں "ویٹر!" عورت ہو تو مس کہہ کر نہیں بلاتے بلکہ "ویٹرس" کہہ کر آواز دیتے ہیں۔

شکایات

اگر کھانا یا مشروبات وغیرہ اچھی قسم کے نہ ہوں تو بدمزگی وغیرہ کے متعلق شکایت کا حق آپ کو ہر طرح حاصل ہے بشرطیکہ آپ کا لہجہ شائستہ، نرم اور الفاظ مناسب ہوں۔ آہستگی سے ویٹر کو بلا کر بلا جھجک پورے اعتماد لیکن نرمی سے بتا دیجیے کہ کسی خاص کھانے میں یہ نقص موجود ہے یا چائے ٹھنڈی اور رنگ ہلکا یا ضرورت سے زیادہ گہرا ہے۔ خواتین کی طرف سے شکایت مرد کرتے ہیں۔

اگر کھانے کے دوران میں چھری، کانٹا، چمچہ یا نیپ کن (زانو پوش) گر جائے تو بجائے خود جھک کر اٹھانے کے ویٹر سے دوسرا لا کر دینے کی فرمائش کر دیتے ہیں۔

سگرٹ نوشی سوائے اُن چند ریسٹورانوں کے جہاں خاص طور پر یہ نوٹس لگا ہو کہ سگریٹ پینا منع ہے آپ بے تکلف سگرٹ پی سکتے ہیں۔ اگر ایش ٹرے (راکھ دانی) موجود نہ ہو تو ویٹر سے منگا لیجئے برتنوں اور پیالیوں میں راکھ جھاڑنا بدتمیزی ہے جب خود سگرٹ پی رہے ہوں تو مہمانوں یا پاس بیٹھنے والوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔

بل کی ادائیگی ویٹر سے بل لانے کی فرمائش کیجئے۔ جن بلوں پہ لکھا ہوتا ہے کہ بل خزانچی کی میز پر ادا کئے جائیں گے وہ وہیں ادا کرنے چاہئیں۔ البتہ ویٹر کا انعام میز پہ چھوڑ جاتے ہیں۔ بعض وقت جیب میں ریزگاری موجود نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں بل خزانچی کو ادا کر کے ریزگاری جو ملتی ہے اس میں سے ویٹر کا انعام میز پہ جا کر رکھ دیتے ہیں۔ اگر بل ویٹر کے ذریعے ادا کرنا ہو تو پھر جو ریزگاری وہ واپس لاتا ہے اُس میں سے اُس کا انعام ٹرے میں چھوڑ کر باقی پیسے اُٹھا لیتے ہیں۔

بعض وقت یہ بھی ہوتا ہے کہ بل کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی رقم سب مل کر ادا کرتے ہیں۔ یہ بات پہلے سے طے کر لینی بہتر ہوتی ہے۔ ویٹر کی موجودگی میں تکلفات اور اصرار ناواجب ہوتا ہے۔ بل کی رقم آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور اپنے حصے کی رقم کسی ایک کو یا جو بل کی رقم کا زیادہ حصہ ادا کرتا ہے دے دیتے ہیں۔

اگر صرف عورتیں ہی عورتیں یا مرد ہی مرد ہوں تو اپنا اپنا بل علیحدہ علیحدہ بھی منگوا سکتے ہیں۔ بل کی ادائیگی کے بعد ہمراہی خاتون کو کوٹ پہننے میں مدد دیتے ہیں۔

اور میز پر سے اُٹھنے میں اور وہاں سے ہٹنے میں عورت کو سبقت کا موقع دیتے ہیں۔ کلوک روم سے جا کر اپنا کوٹ وغیرہ لیتے ہیں اور وہاں کے نگران کو انعام دے کر باہر آجاتے ہیں۔

خاتون ساتھ والے مرد کا اس وقت تک ٹھہر کر انتظار کرتی ہے جب تک وہ کوٹ وغیرہ نہ پہن لے۔

رات کے کلب

رات کے کلب، طعام اور مشروبات مہیا کرنے کے علاوہ رقص کا انتظام بھی رکھتے ہیں۔ رات کے کلبوں میں شرکت کے تمام آداب وہی ہیں جو ریسٹورانوں میں برتے جاتے ہیں البتہ کلب میں ریسٹوران کی بہ نسبت زیادہ ہنسنے بولنے اور بے تکلفی کی اجازت ہوتی ہے اور آپ اس حد تک بے تکلفی برت سکتے ہیں کہ شور و شر یا دنگا فساد برپا ہو جائے۔

جم خانہ کلب یا کسی اور بڑے کلب میں جانے سے پہلے اپنے لیے میز مخصوص کروا لینی ضروری ہوتی ہے۔ نائٹ کلب میں بہت بلند آواز سے گفتگو نہیں کی جاتی۔ رقص کرتے وقت ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ بجھا دینا چاہیے۔ سگریٹ ہاتھ میں لے کر رقص کرنا سخت بدتہذیبی ہے۔ نائٹ کلبوں میں خواتین کا اجنبیوں کے ساتھ رقص کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کوئی اجنبی کسی خاتون سے رقص کی درخواست کرتا ہے تو پھر اس پر بُرا ماننے اور سخت جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ نرمی سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ نائٹ کلب میں اگر آپ کسی لڑکی کو خاص طور پر لے جاتے ہیں تو اس کی طرف پوری طرح

متوجہ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو بیٹھا چھوڑ کر دوسروں کی میزوں پر جاکر باتوں میں محو نہ ہو جانا چاہیے۔

رقص کے آداب

اگر آپ کسی محفلِ رقص میں مدعو ہیں تو اس میں عین وقت پر پہنچنا ضروری نہیں ہے۔ ایک گھنٹہ تک کی تاخیر ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ رقص شروع کرنے سے پہلے محفل میں پہنچتے ہی میزبان بیگم سے جاکر ملنا اور سلام دُعا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

رقص کا لباس عام طور پر وہی ہوتا ہے جو ایوننگ ڈریس (شام کا لباس) ہوتا ہے۔ موسم کے اعتبار سے لباس زیب تن کرنا ضروری ہوتا ہے اکثر مطلوبہ لباس کی تفصیلات دعوتی کارڈ پر لکھی ہوتی ہیں۔

رقص کی موسیقی کے خاتمے پر ناچنا بند کر دیتے ہیں اور اگر جانا ہوتا ہے تو اُسی وقت میزبانوں سے رخصت کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ پرائیویٹ قسم کی محفلوں میں کم سے کم ایک مرتبہ گھر والی بیگم کے ساتھ رقص کی درخواست ضرور کرتے ہیں۔ اس کے بعد جس کے ساتھ چاہے ناچتے رہیں۔

رقص کی درخواست مختصر اور سادہ الفاظ میں کرنی چاہیے۔ کسی کی ہم رقص کے ساتھ رقص کی درخواست یُوں کی جاتی ہے کہ مرد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دریافت کرتے ہیں 'کیا مجھے اجازت ہے' اس لڑکی کا ہم رقص لڑکی سے شکریے کا لفظ کہہ کر اس سے دستبردار ہو جاتا ہے اور خود کسی اور لڑکی کے انتظار یا تلاش میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

رقص کے خاتمے پر مرد اپنی ہم رقص کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے

تو چند تحسین آمیز لفظ بھی کہہ سکتا ہے۔

خواتین کو کسی کی ہم رقص بننے کی درخواست قبول کرنے یا نہ کرنے کی پوری پوری آزادی ہوتی ہے۔ اس معاملے میں وہ کسی کی پابند نہیں ہوتیں۔ البتہ درخواست مسترد کرتے وقت یہ لحاظ ضروری ہوتا ہے کہ انکار مناسب الفاظ میں کیا جائے۔ کسی کو مُنہ توڑ اور اکھڑ جواب نہیں دینا چاہیے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ ایک کو تو جواب دے دیا جائے اور فوراً ہی کسی دوسرے کے ساتھ رقص کرنے لگیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ نرمی سے کہہ دیتے ہیں میں ذرا سستانا چاہتی ہوں۔ معاف کیجیے میں تھک گئی ہوں۔

خواتین کو یہ سہولت بھی ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنے ہم رقص سے اکتا جائیں تو وہ اس سے یہ معذرت کر سکتی ہیں کہ میری طبیعت خراب ہے یا میں تھک گئی ہوں۔

ایک دور رقص کرنے کے بعد اگر آپ محفل سے اُٹھنا چاہتے ہیں تو رقص کے خاتمے پر گھر والوں سے اجازت لے کر اور ان کا شکریہ ادا کر کے واپس جائیں۔

خرید و فروخت

اگر دکانداری کے کچھ قاعدے اور آداب ہیں اور اگر ایک اچھے دکاندار کے لیے ان کا برتنا ضروری ہے تو گاہک کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی چند باتوں کا لحاظ رکھے۔ جن کا لحاظ نہ رکھنے سے وہ لاکھوں روپے کا مال خرید کر بھی دکاندار کی نظر میں معزز اور باوقار اور بھاری بھر کم نہیں بنتا۔

بازار جانے اور خرید و فروخت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گھر سے نکلنے سے پہلے ایک پروگرام بنا لیا جائے کہ کن کن چیزوں کی خریداری کرنی ہے۔ اور بازار میں کتنا وقت صرف کرنا ہے۔

یہ طے کر لینے کے بعد مطلوبہ اشیاء کی فہرست بنا کر اپنے ساتھ اسی کے اندازے سے رقم رکھتے ہیں۔ بلا ضرورت دکانوں میں گھس گھس کر دکانداروں کو پریشان کرنا اور چیزیں دکھانے کی فرمائش کرنا گھٹیا پن اور ناشائستگی میں داخل ہے۔ زیادہ تر تو اپنی مقررہ دکانوں ہی میں جانا بہتر ہوتا ہے۔ اس طرح سے دکاندار گاہک کی حیثیت اور مزاج کو سمجھ لیتا ہے اور گاہک دکاندار کے مزاج سے واقف ہو جاتا ہے لیکن بعض وقت کسی نئی دکان میں بھی جانا پڑتا ہے تو بھی اس سے صرف اپنی مطلوبہ چیز مانگ کر دیکھتے ہیں اور اس کے دام پوچھتے ہیں۔ ایک اچھا اور معزز گاہک کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ داخل تو

محض ایک ذرا سی چیز خریدنے کے لیے ہو لیکن اس کی وجہ سے دکان میں زلزلہ آجائے، وہ مختلف النوع چیزیں نکلوا نکلوا کر دیکھتا رہے اور پھر ناک سکوڑ کر دکان سے باہر نکل جائے۔ دوسری بات جس کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے وہ دکان دار سے گاہک کا طرزِ تخاطب ہے۔ شائستہ اور شستہ مزاج لوگ رعونت سے بات کرنا معیوب سمجھتے ہیں اور خواہ وہ پوری دکان ہی خرید لینے کی استطاعت کیوں نہ رکھتے ہوں دوکاندار سے تہذیب اور شائستگی سے بات کرتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی تہذیب گاہک کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ دکانداروں اور سیلز مینوں سے بُری طرح بات کرے۔

اگر آپ دکان دار کو تم کے بجائے آپ کہہ کر مخاطب کریں گے تو اس میں آپ کی ہی عزت بڑھتی ہے۔ اب تو عام طور پر چیزوں کے نرخ لکھے ہوئے دکانوں پر ملتے ہیں لیکن بعض دکانوں پہ نرخ مقرر نہیں ہوتے، ایسی دکانوں پر بھی پائی پائی چکانا اور الجھن کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ شرفا کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس کو سرے سے خریدنے کا ارادہ ہی ترک کر دیتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ ایک ایک پیسے کے لیے حجت کریں۔ اگر اتفاق سے کسی دکان میں مرضی کے مطابق سودا نہیں بنتا اور چیز کے دیکھنے اور بھاؤ پوچھنے میں دکاندار کا کافی وقت ضائع ہو گیا تو ایسی صورت میں گاہک کا فرض ہے کہ وہ نرم اور شائستہ الفاظ میں دکان دار سے معذرت کر لے کہ معاف کیجیے گا آپ کا وقت ضائع کیا ہے۔"

اگر دکان میں بچے ساتھ لے کر چلتے ہیں تو اس بات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں کہ بچہ دکان میں گڑبڑ نہ مچائے اور کوئی نقصان نہ کر دے۔ دکاندار کے منہ در منہ اس کی چیزوں کی مذمت بھی مذموم خیال کی جاتی ہے۔ اگر چیز ناپسند ہے تو مناسب الفاظ میں معذرت کر کے واپس چلے آتے ہیں۔

دکاندار کے فرائض

دکان دار کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ گاہک کی کسی حالت میں بھی توہین نہ کرے اگر دکان پر مال دکھانے والے ملازم موجود نہیں ہوتے تو اچھے قسم کے اور اونچے دکان دار خود گاہک کو بٹھانے اور اس کی طرف ہر طرح متوجہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ دکاندار کا گاہک سے سلوک کس طرح ہونا چاہئے یہ ایک مستقل اور جداگانہ مضمون ہے اور باقاعدہ ایک فن ہے۔ تاہم چند ایک باتیں ایسی ہیں جن کا لحاظ تقریباً ہر اچھا دکان دار رکھتا ہے مثلاً بزرگ خواتین اور گاہکوں کو فوراً بٹھانا اور ان سے ان کے سن اور مزاج کے مطابق گفتگو کرنا، خواتین سے شستہ اور مہذب لہجے میں گفتگو کرنا۔

گاہک کی کم مائگی یا اجنبیت کا اس کے سامنے ذکر کرنا بہت نامناسب بات ہے۔ ایک اچھا دکان دار کبھی کم حیثیت سے کم حیثیت گاہک کو بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ "جیب میں پیسے تو تھے نہیں، لینے چلے آئے" یا "کبھی دیکھا بھی تھا ایسا کپڑا" وغیرہ وغیرہ۔

اونچے قسم کے دکاندار ہر گاہک کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنے مال سے متعلق

اس کی شکایتوں کو ٹھنڈے دل سے سُن کر اس کا تدارک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

خواہ کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ ہو جائے اچھا دکاندار یہ نہیں پسند کرتا کہ وہ اپنے گاہک کو دھوکے سے کوئی ناکارہ یا خراب چیز دے دے یہ سخت بد تہذیبی ہے۔

اُستاد اور شاگرد

اُستاد اور شاگرد کے تعلقات زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ والدین کے بعد استاد ہی وہ ہستی ہے جس کا رنگ ہماری زندگیوں پر گہرا چڑھا ہوتا ہے۔

مشرق میں اُستاد شاگرد اور گرو چیلے کے تعلقات اور رشتہ بڑا مقدّس سمجھا جاتا ہے۔

مشرق کے قدیم گھرانوں میں اس رشتے کا بڑا مان ہوتا ہے۔ علماء اور حکیموں کا دستور ہے کہ وہ اپنے استاد تو استاد، استادزادوں کا بھی بڑا احترام کرتے ہیں۔ اس گھر کے خادموں کی بھی عزّت و خاطر تواضع کرتے ہیں جہاں اُنھوں نے علم حاصل کیا ہو۔

علاوہ قدیم گھرانوں کے عام گھرانوں اور لوگوں کے دلوں میں بھی اپنے استادوں کا بڑا احترام ہوتا ہے۔ شاگرد اُستاد کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہیں کرتے۔ اگر وہ استاد کے کسی نظریے، یا بات سے اختلاف بھی کرتے ہیں تو پہلے معذرتی الفاظ کہہ کر نرم اور مناسب الفاظ میں تردید کرتے ہیں۔ اپنے استاد کی خدمت کو اوّلین فرض سمجھتے ہیں۔

ساتھ ہی اُستاد کا رویّہ بھی اپنے شاگردوں سے مشفقانہ رہتا ہے۔ اُستاد اپنے شاگرد کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ شاگرد کتنا ہی مفلس اور تہی دست ہو یا کتنا ہی معزز، استاد دونوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔

دراصل اگر دیکھا جائے تو اُستاد کی محبت والدین سے کہیں زیادہ بے لوث اور بے غرض ہوتی ہے۔ اُستاد کو اپنے شاگرد سے بلا توقع ہی محبت ہوتی ہے وہ اس سے بلا غرض ہی محبت کرتا اور اس کی ترقی سے خوش ہوتا ہے۔

اُستادی اور شاگردی کا تعلق مدّتِ تعلیم تک نہیں رہتا ہے بلکہ یہی وہ ہستی ایسی ہے کہ جس کے پاس شاگرد ہمیشہ اپنی مشکلات پیش کر سکتا ہے۔ اُستاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ رکھ رکھاؤ سے ہی پیش آنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ سچی ہمدردی اور سلوک کرنا ہوتا ہے۔ اس کی ہر وقت اور مشکل کو سلجھانا اور حل کرنے میں مدد دینا اُستاد کا پہلا فرض ہے۔ صحیح معنی میں عالم اور اچھا استاد اپنے شاگرد کی ذہانت، وسعتِ علم اور جزرسی پر چڑنے یا کڑھنے کے بجائے اس کا اعتراف کرتا اور اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ ہونہار شاگرد بھی ہمیشہ چند باتوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اُستاد کا مدِمقابل بن کر اس کے سامنے نہیں بیٹھتا۔ اس کی ہر بات سُن کر اس پہ اسے نہ تو اعتراض کرنے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ہی اُستاد کی کورانہ تقلید اور اس کی ہر جا و بے جا بات پر ایمان لانے میں یقین رکھتا ہے بلکہ توازن اور مفاہمت کا جذبہ لے کر اُستاد کی بات سنتا اور اُس سے مستفیض ہوتا ہے۔

استاد کا علم بیکراں ہو یا محدود اس کا احترام اور مقام شاگرد کے لیے

مسلّم رہتا ہے۔

استاد اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ وہ اپنے شاگرد کے اور اپنے تعلقات کے درمیان اپنی غرض کو شامل نہ ہونے دیں۔ اس سے کسی کام کے کہنے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں اور یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ ان کا شاگرد اگر کبھی کوئی غرض لے کر ان کے پاس آئے تو اگر وہ جائز قسم کی ہے تو اس کی ہر ممکن مدد کریں۔

شاگرد بھی ہمیشہ احتیاط رکھتے ہیں کہ اپنے استاد کو کم سے کم زحمت دیں۔ استاد ایک بات کا ہمیشہ لحاظ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے ہونہار اور سعید شاگرد کو اپنی غلط اغراض میں آلہ کار بنانے اور ان کی سعادت مندی سے غلط قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔

استاد اور شاگرد کا رشتہ مقدس ہوتا ہے اور اس کو برقرار رکھنے کے لیے قرب اور بُعد میں ایک مناسب توازن رکھا جاتا ہے۔

دوست احباب

دوست بنانا جتنا آسان ہے دوستی کا نباہنا اسی قدر مشکل ہے۔ درحقیقت سمجھ دار لوگ دوستوں کو دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ احباب اور دوست۔

احباب میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو آپ کے حلقۂ ملاقات میں آتے ہیں اور آپ کے ان سے اچھے مراسم ہیں۔

دوست صرف چند ہوتے ہیں، آپ کے راز آشنا، دردمند اور صحیح معنوں میں ہم مذاق، جن سے آپ بے تکلفانہ اپنی لغزشیں اور کمزوریاں بیان کرسکیں اور جن کے سامنے آپ اپنی غرض بیان کرسکیں۔

حلقۂ احباب میں اپنی ہر دل عزیزی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ خوش خلقی اور فراخ دلی سے کام لیا جائے۔ عقل مند اور بلند فطرت لوگ حلقۂ احباب میں بیٹھ کر غیبت اور بدگوئی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اپنے احسانات گنوانے اور دوسروں کی بدسلوکیوں کا ذکر کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کی معمولی سی غلطی، یا ناشائستہ بات کو خاموشی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

البتہ دوستوں کے ساتھ سلوک قدرے مختلف ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ دوست بنانے میں عجلت سے کام نہیں لیتے۔ مدتوں لوگوں سے ملتے جلتے

ہیں تب ان میں سے کسی کو دوست جیسے معزز خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ کسی کو دوست جیسے معزز خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ کسی کو دوست بنا لینے کے بعد مخلص دوست اس کی کمزوریوں اور اوصاف دونوں ہی کو برداشت کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کے دوست میں کمزوریاں زیادہ ہوں اور خوبیاں کم۔ لیکن اگر وہ آپ کے دل سے قریب آ گیا ہے تو پھر ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کی کمزوریوں کا اعتراف ہونے کے باوجود ان کا ذکر نہ کیا جائے۔

لوگ اپنے دوستوں کے متعلق ایک بات کی خاص احتیاط رکھتے ہیں کہ اس کی دوستی کو خود اپنی ذات تک محدود رکھیں، اپنے دوسرے ملنے والوں یا عزیزوں کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ بھی ان کو اسی درجہ عزیز رکھیں۔ اپنے دوست کو گھر والوں سے اس وقت تک متعارف نہیں کرایا جاتا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ گھر والے اس سے مل کر خوش ہوں گے اور اس کی خاطر خواہ مدارات کریں گے۔ اول تو لوگ دوستوں کو بھی اپنے خطرناک رازوں سے آشنا نہیں کرتے اور کر دیتے ہیں تو پھر ان پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ دونوں ہی فریقوں کے لیے لازم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے اعتماد کو صدمہ نہ پہنچائیں۔ دوست کے لیے اپنے مفاد کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ حقیقی دوست کو ہمیشہ اپنے دوست کے جذبات کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ باوجود جذباتی لگاؤ اور بے تکلفی کے اس بات کی احتیاط رکھنی پڑتی ہے کہ کسی محفل اور تقریب میں دوست کی اہمیت اور حیثیت نظر انداز نہ ہونے پائے۔ محفلوں میں نہ تو اس کو بالکل مہمان بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کو بے حقیقت جان کر اور روز کا آنے والا سمجھ کر اس کی طرف سے

لاپروائی برتی جاتی ہے۔

اور یہ تو خیر اب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ اصلی دوست کی آزمائش ہی جب ہوتی ہے جب ایک فریق پر کوئی بُرا وقت پڑتا ہے۔ عام حلقۂ احباب یا نئے ملنے والوں کی موجودگی میں پرانے اور بے تکلف دوست یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ ان کے آپس کے ہنسی مذاق اور گفتگو میں نئے احباب اور ہم نشین نظرانداز نہ ہو جائیں۔ اس قسم کی ذاتی گفتگو یا گزرے ہوئے ان واقعات کا ذکر جن سے بالکل نئے احباب کو دلچسپی نہ ہو ان کو بور کر دیتا ہے اس لیے کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایسی گفتگو ہو جس میں سب کو دلچسپی محسوس ہو۔

تعلقاتِ عامہ

اہلِ ضرورت جب کسی کے در پر ضرورت لے کر جاتے ہیں جب ہی اس کے اخلاق یا بد اخلاقی کا پتہ چلتا ہے۔ اعلیٰ ظرف اور مہذب لوگ سب سے زیادہ احتیاط سے ضرورت مند شخص سے پیش آتے ہیں۔ اور اس کے بھی کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں۔

ضرورت مند کو چاہیے کہ جب کسی کے پاس اپنی غرض لے کر جائے تو سب سے پہلے تو یہ اندازہ کرے کہ کون سا وقت مناسب ہوگا۔ کسی کی بڑی اور شدید مصروفیت میں جانے سے نہ صرف یہ کہ اپنا کام نہیں ہوتا بلکہ یہ انتہائی بداخلاقی اور خود غرضی پر محمول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے وقت میں جانا جب کہ وہ شخص تھکا ہارا آکر کھانا کھا رہا ہو یا آرام کرنے لیٹا ہی ہو، اس وقت جانا بھی برا سمجھا جاتا ہے۔

اس کے لیے یہ بہتر ہوتا ہے کہ پہلے سے وقت مقرر کر لیتے ہیں یا مناسب طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ ملاقات کس وقت مناسب رہے گی۔

مناسب وقت کے علاوہ جس کے سامنے غرض لے کر جاتے ہیں اس کے سامنے کم سے کم الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ اپنی غرض خودداری کے ساتھ بیان کی جائے۔ حاجت روا

کے سامنے اپنے کو بالکل ہی گرا دینا اور اس کی حد سے زیادہ خوشامد کرنا بے اخلاقی میں داخل ہے۔

حاجت روائی کرنے والوں کو بھی یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ضرورت مند کا دل چھوٹا ہوتا ہے اس کی پیشوائی خندہ پیشانی سے کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص ناوقت آبھی جاتا ہے تو اس کی ضرورت اور مجبوری کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ کسی مجبوری کے تحت ہی آیا ہوگا۔ خواہ اس کے آنے سے آرام یا کام میں خلل ہی پڑ جائے لیکن اس کے سامنے درشتی یا ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ سکون اور ہمدردی سے اس کی غرض سُن کر اُس کی تسلّی کر دیتے ہیں۔

بعض وقت یوں بھی ہوتا ہے کہ لوگ ضرورت مند بن کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کرتے ہیں کہ مناسب الفاظ میں ہمدردی کر کے ٹال دیتے ہیں یا پھر اپنی معذوری کا اظہار کر دیتے ہیں۔

غلط قسم کے ضرورت مندوں کو مصلحت اور عقل مندی سے ٹال دیتے ہیں لیکن حقیقی ضرورت مند کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں۔ اور اگر اپنے بس سے باہر بات ہوتی ہے تو اس کو ہر طرح تسلّی دیتے ہیں۔ حقیقی ضرورت مند کی مجبُوری اور بیچارگی سے فائدہ اُٹھا کر اُس سے وجہ بلا وجہ کام لینا اور فرمائشیں کرنا حد درجہ کی پست حرکت سمجھی جاتی ہے۔

ایک ضرورت مند کے سامنے کسی دوسرے حاجت مند کا بُری طرح ذکر کرنا اور اس کی حاجت مندی کا مذاق اڑانا بہت ہی ناشائستہ حرکت ہے۔ کسی کی

حاجت روائی کرنے کے بعد اس واقعے کو بھول جانا بہتر سمجھا جاتا ہے اور کسی کے احسان کو یاد رکھنا شرافت کی نشانی ہے۔

جس وقت کسی کی ضرورت آپ سے اٹکتی ہے تو وہ آپ کی آزمائش اور اعلیٰ ظرفی کا امتحان ہے اور کام نکل جانے کے بعد ضرورت مند کے جذبۂ تشکر کا امتحان ہوتا ہے۔

معذور اور اپاہج لوگوں سے رویّہ

کسی معذور یا اپاہج کو دیکھ کر جذبۂ ترحّم کا ابھرنا فطری بات ہے لیکن اس کے اظہار میں احتیاط برتی جاتی ہے۔ جب کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں تو ہر ممکن کوشش یہی کرتے ہیں کہ اس کے جسمانی نقص کی طرف اشارہ نہ کریں اور نہ اس کی طرف رحم اور ہمدردی سے دیکھیں۔

ساتھ ہی یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ ایسے شخص کی بروقت مدد کریں مثلاً کسی نابینا کو نئی جگہ پر ٹٹولتے دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کہتے۔ اگر کوئی بیساکھی استعمال کرتا ہے تو اُس کو اُٹھنے کی کوشش کرتے دیکھ کر اس کی بیساکھیاں اُٹھا دیتے ہیں یا سہارا دیتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا ایک ہاتھ ہے اور اس کو کسی چیز کے اٹھانے یا کاٹنے میں دقت ہو رہی ہے تو اُس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے دریافت کر لیتے ہیں کہ "کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں"، لیکن اگر کوئی شخص خود اپنا کام کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو خواہ اس کو کتنی ہی دقت سے کرتے دیکھیں اس کو ٹوکتے نہیں۔ نابینا لوگوں کی موجودگی میں اگر ایسی گفتگو کی جائے جس کا تعلق سماعت

سے زیادہ ہو تو بہت بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح اُونچا سننے والوں کی خاطر اُونچی آواز سے بولنا چاہیے۔

بڑے اور نامور لوگوں سے مُلاقات کا شوق

بڑے اور نامور لوگوں سے مُلاقات کا شوق لوگوں میں عام طور پر موجود ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اس شوق کو بُری طرح بروئے کار لاتے ہیں اور جس طرح مضافات اور بیرونِ شہر سے آئے ہوئے لوگ چڑیا گھر جاتے اور شیر کے پنجرے کے پاس خصوصیت سے کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح لوگ کسی نامور شخص، ادیب یا بڑے شاعر کے پاس جاتے ہیں۔ یہ بڑی غلط حرکت سمجھی جاتی ہے اور بہر ملاقات کسی تقریب کا انتظار کرتے ہیں۔ اور اگر ضرور ہی کسی شخص سے ملنے کا اشتیاق ہے تو پھر اس کی ترکیب یہ ہے کہ اس سے وقت مقرر کرتے ہیں۔ ملاقات کا عرصہ مختصر رکھتے ہیں۔ خود کم بولتے ہیں اس کو گفتگو کا زیادہ موقع دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہوتا ہے کہ نامور اور بڑا آدمی صرف اپنی ہی دلچسپی اور اس کی باتوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ عام سطح کی لیاقت اور ذہنیت کے لوگوں کے بے تکے سوالوں سے دل ہی دل میں بیزار ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے متعلق موضوع کے متعلق باتیں کافی معلومات کر کے جاتے ہیں یا پھر گفتگو کے رُخ کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اگر کسی محفل میں کسی نامور ادیب یا شاعر کو مدعو کرتے ہیں تو اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھتے ہیں کہ اس کو مناسب توجہ اور مقام دیا جا رہا ہے۔

اس کے پاس بیٹھنے والے اس کے مذاق کے مطابق ہیں یا نہیں۔ کسی شخص کو محض اس خیال سے مدعو کرنا کہ اس کے مترنم کلام سے ذرا لطف رہے گا، کوئی گانے والی بُلائی شاعر بُلا لیا یہ سخت اوچھی اور معیوب حرکت ہے۔ نامور لوگ اور مشاہیر بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ان کو قابلِ توجہ سمجھا ہے اور ان کے پاس آیا ہے تو وہ اس لمحاتی اور مختصر ملاقات کا اچھا تاثر لے کر اُٹھے۔ وہ اس سے اس کی دلچسپی کا خیال رکھ کر گفتگو کرتے ہیں اور محض اپنی ہی ذات کو مرکز بنانے کے بجائے اس کی ذات کو بھی اُبھارتے ہیں۔ اگر ایک شخص ان کے پاس عاجزانہ اور عقیدتمندانہ خیالات لے کر آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی اپنی ہستی کی قطعی نفی کر دی جائے۔ وہ اس کے سامنے کبر و نخوت سے اکڑ کر بیٹھنے کے بجائے اس مختصر عرصۂ ملاقات کو ایک دلچسپ اور خوشگوار یاد بنا دیتے ہیں۔

حکام اور افسران کی صحبت

حکام اور افسران سے ملاقات اور صحبت میں دونوں فریقوں کو تقریباً وہی باتیں ملحوظ رکھنی ہوتی ہیں جو مشاہیر اور ناموروں کی صحبت میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ البتہ پرائیویٹ صحبت میں افسران اور حکام سے ملنے والے یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ وہ ان کے مرتبہ اور اقتدار کے آگے محجوب اور مرعوب ہو کر نہ بیٹھیں اور نہ ہی اس فرق کو بالکل فراموش کر دیں جو ان کے اور ملاقاتی کے درمیان ہے۔

ڈاکٹر، وکیل اور ماہرینِ تعلیم

ڈاکٹروں، وکیلوں اور اسی قسم کے پیشے سے متعلق لوگوں کو اگر مدعو کیا جاتا ہے تو یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ اس وقت ان سے کسی مرض کے متعلق مشورہ، یا اپنے

کسی مقدمے کی بابت رائے لینے سے گریز کیا جائے۔ اسی طرح کسی تعلیمی ادارے سے متعلق کسی شخص یا ممتحن سے کسی کی سفارش ایسے وقت میں نہیں کرتے۔ ڈاکٹر سے ہر وقت امراض کے متعلق گفتگو کرتے رہنا اس کو بیزار کر دیتا ہے۔ پرائیویٹ صحبتوں میں اس سے عام گفتگو کرتے ہیں۔ ایک آدمی کو دیکھنے کو بلا کر سارے گھر کی نبض دکھانا بھی مستحسن نہیں سمجھا جاتا۔

اسی طرح سے ڈاکٹروں کو بھی عام لوگوں سے گفتگو میں احتیاط کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے۔ ہر شخص پر نظر پڑتے ہی اس سے کوئی نہ کوئی مرض منسوب کر دینا، امراض کی علامات اور نتائج بیان کرتے رہنا بڑی بیزار کن اور قابل اعتراض حرکت سمجھی جاتی ہے۔

اس سے زیادہ ناشائستہ کوئی حرکت نہیں کہ ڈاکٹر مریض کے منہ پر دھڑا دھڑ اس کے مرض کی تفصیلات اور انجام بیان کرنا شروع کر دے۔ ہوشیار اور ہمدرد معالج تو یہاں تک احتیاط رکھتے ہیں کہ مریض کے اس قریبی رشتے دار کو بھی مرض کی نوعیت کی اطلاع نہیں دیتے جس کے دل و دماغ پر اس کی بیماری سے برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔

ڈاکٹر کے ضمن میں ایک بات کا ذکر لازمی ہے وہ یہ کہ بعض مریضوں کے ناوقت پہنچنے یا بلانے پر جھنجلاتے اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔ یہ چیز اس پیشے کے آداب کے خلاف ہے۔ اگر ناوقت مریض ان کو بلاتے یا ان کے آرام میں خلل ڈالتے ہیں تو یہ ان کا قصور نہیں بلکہ ان کے پیشے کا قصور ہے۔ اس وقت کا خیال پیشے کے انتخاب کے وقت بہتر ہوتا ہے۔ اچھا ڈاکٹر اپنے مریض اور اس کے متعلقین کو مایوس نہیں کرتا اور اگر

ایسی ہی مجبوری ہوتی ہے تو اپنے بجائے کسی دوسرے ڈاکٹر کے پاس بھیج دیتا ہے
ڈاکٹر، وکیل، اور کسی بھی قسم کے مشیر کو وقت اور وعدے کی پابندی کا خیال
رکھنا پڑتا ہے۔

حکّام اور ماتحتوں کے تعلقات

حکّام اور ماتحتوں کا رشتہ بھی بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایک
کامیاب اور ذمہ دار افسر اوقات کار میں اپنے ماتحتوں سے بڑی سنجیدگی سے پیش
آتا ہے اور اپنے رویے سے ان پر یہ امر واضح کر دیتا ہے کہ وہ کام میں کسی قسم کی
رو رعایت یا تعلقات کو راہ نہیں دیتا۔

وہ ماتحتوں سے عزت اور نرمی سے پیش آنے کے باوجود دفتری نظم و ضبط
کو قائم رکھتا ہے۔ وہ نہ خود کسی قسم کی بے راہ روی اور کوتاہی اپنے کام میں کرتا
ہے نہ دوسروں کو کوتاہی کرنے کی جرأت دلاتا ہے۔

اگر ماتحت اپنے فرض میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار
اس کو تخلیے میں بلا کر نرمی سے بتا دیا جائے کہ تمہارا رویہ درست نہیں ہے اور
اس کے یہ نتائج ہوں گے۔ اس کے بعد بھی کوتاہی کی صورت میں تحریری تنبیہ ضروری
ہوتی ہے۔ ماتحتوں سے بحث کرنا اور ان کو گستاخی کی نوبت پر پہنچانا افسری
کے آداب کے خلاف ہے۔

اچھا اور معقول افسر بارعب ہونے کے باوجود اپنے ماتحتوں میں انفرادی
دلچسپی ضرور لیتا ہے۔ وقتاً فوقتاً ماتحت کے بیمار بچے یا کسی عزیز کی خیریت پوچھ لینا
یا اس کو ضرورت سے زیادہ کمزور اور بیماری کے نزدیک پا کر اس کو صحت کا خیال

رکھنے کا مشورہ دینا افسر کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس کے کسی مسئلے کو ہمدردی اور ٹھنڈے دل سے سُننا پڑتا ہے۔ اور اگر امکان میں ہو تو اس کی مناسب امدا بھی کرنی پڑتی ہے۔

اسی طرح اچھے ماتحت کو بھی چند طریقے برتنے پڑتے ہیں مثلاً اوقات کی پابندی۔ افسر کی موجودگی میں جھگڑنا اور الجھنا نامناسب حرکت ہے۔ اپنا فرض ادا کرنے والا ماتحت کبھی جا و بے جا خوشامد نہیں کرتا۔ بلاوجہ چاپلوسی کی خاطر افسر کے آگے دست بستہ رہنا، ڈالیاں پیش کرنا، اور اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی خاطر ملازموں کی طرح دوڑے دوڑے پھرنا چھوٹے پن اور نااہلی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس طرح افسروں کی عادتیں بھی خراب ہوتی ہیں۔

اگر کوئی افسر اپنے دباؤ سے اس قسم کے کام لینا بھی چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ معقول عذر کر دے یا پھر ملائم الفاظ میں افسر پر ظاہر کر دے کہ مجھے اس قسم کے کاموں کا تجربہ نہیں ہے۔

اچھا اور دیانت دار افسر اپنے ماتحتوں کو ذرا ذرا سی فرمائشوں کی وجہ سے پریشان کرنا اپنی ذلت خیال کرتا ہے۔

سفر

ریل کے سفر کا ذکر تو کسی گذشتہ باب میں سٹیشن کے عنوان سے کیا جا چکا ہے لیکن ریل کے علاوہ اندرونِ شہر میں چلنے والی مقامی سواریوں بس، ٹریم اور ٹیکسی کے بھی آداب اور قاعدے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہوائی سفر اور پانی کے جہازوں کے ذریعے سفر کے قواعد کا بھی خیال رکھنا بڑا ضروری ہوتا ہے بلکہ موخرالذکر دونوں سواریوں کے آداب کا خیال تو اسی قدر ضروری ہے جس قدر اس سفر کے لیے ٹکٹ خریدنا ضروری ہوتا ہے۔

مقامی سواریاں

بسوں اور ٹریم کار کے سفر میں بس اسٹینڈ سے ہر کس و ناکس کا سابقہ پڑنا ضروری ہوتا ہے۔

بس اسٹینڈ پر کھڑے ہونے کا یہ قاعدہ ہے کہ خاموشی سے بس کا انتظار کیا جائے خواہ مخواہ دوسرے مسافروں سے بات چیت کرنا اور کسی سلسلے میں اُلجھ پڑنا بالکل فضول بات ہے۔ بس اسٹینڈ پر تھوکنا، ناک صاف کرنا، چھلکے اور کاغذ ڈالنا بدتمیزی میں داخل ہے۔ اسٹینڈ پر کھڑی ہوئی لڑکیوں اور عورتوں کو گھور گھور کر ہنسنا یا باتیں بنانا ادنیٰ درجے کا لفنگاپن ہے۔ بیمار اور بوڑھے لوگوں کے لیے اسٹینڈ کی بینچ فوراً خالی کر دینی چاہیے۔

جس وقت بس آ کر رُکے تو ایک دم بھرا مار کر بس میں چڑھنے کی کوشش

نہیں کرتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ قطار بنا کر اُترنے والے مسافروں کو موقع دیتے ہیں کہ پہلے وہ اُتر جائیں۔ پھر چڑھنے والے مسافر آگے بڑھتے ہیں۔ بس میں احتیاط سے سوار ہوتے ہیں تاکہ کسی کا پاؤں وغیرہ نہ کُچلا جائے۔ بچّوں اور کمزوروں کو چڑھنے میں مدد دینا ہر مسافر کا فرض ہوتا ہے۔ ہر بس میں خواتین اور مردوں کے لیے جُداگانہ نشستیں ہوتی ہیں۔ اکثر مرد اخلاقاً کسی کھڑی ہوئی خاتون کے لیے اگلی سیٹ چھوڑ کر یا تو کھڑے ہو جاتے ہیں یا پھر پیچھے کسی دوسری خالی سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ہر وقت خصوصاً دفتروں سے واپسی پر خواتین کو اس قسم کے ایثار کا متوقع نہیں رہنا چاہیے۔ اگر کوئی بیمار یا ضعیف شخص کھڑا ہے تو خواتین کو بھی اس کی جگہ دینی چاہیے۔ بیمار مسافر کا خیال ہر مسافر پر فرض ہے۔ بسوں میں بڑے بڑے گٹھڑ اور ڈھیروں سامان لے کر نہیں چڑھنا چاہیے۔ اگر جگہ کم ہے تو پھر چھوٹے بچّے کو الگ سیٹ پر بٹھانے کے بجائے اپنی گود میں بٹھا لینا چاہیے۔ دورانِ سفر میں اگر کوئی جاننے والا، دوست یا عزیز سوار ہو تو اس کو دیکھ کر دُور ہی سے گفتگو شروع کر دینا ٹھیک نہیں۔ ایسے وقت میں اس کو دیکھ کر سر کے اشارے سے سلام کرتے یا صرف مُسکرا دیتے ہیں۔

ٹیکسی ٹیکسی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے معلوم کر لینا چاہیے کہ ٹیکسی میں میٹر ہے یا نہیں اور اس کے کرائے کے کیا نرخ مقرر ہیں۔ جن ٹیکسیوں میں میٹر موجود نہیں ہوتا۔ اس کا کرایہ پہلے سے طے کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا اگر آپ کے ساتھ زنانہ سواری ہے تو بھاؤ خود طے کیجئے اور خاتون کے لیے دروازہ خود کھولیے۔

بعض ٹیکسیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا وہی طریقہ ہوتا ہے جو چلتے ہوئے تانگے کا ہوتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں ایک ہی راستے کے کئی مسافر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی اپنی منزل کے اعتبار سے کرایہ دیتے ہیں۔ اگر ساتھ میں کوئی مرد ہے تو ایسی ٹیکسی میں عورتوں کے لیے بیٹھنا نامناسب نہیں۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر اگر ایک عورت اور مرد بیک وقت ایک ہی ٹیکسی کو آواز دیتے ہیں تو ٹیکسی پر اسی شخص کا حق ہوتا ہے جس کا اشارہ ٹیکسی والے نے پہلے دیکھا ہو۔ تندرست اور ہٹی کٹی خاتون کو یہ توقع نہ کرنی چاہیے کہ مرد ضرور ہی اس کی خاطر اپنی راہ کھوٹی کرے گا۔ ممکن ہے اس کا کام زیادہ ضروری ہو۔ البتہ بیمار یا بچوں والی یا ضعیف خاتون کے لیے یہ رعایت روا رکھی جاتی ہے۔ یوں اگر مرد کو ضروری کام نہ ہو تو وہ اخلاق برتتے ہوئے کسی بھی خاتون کے حق میں ٹیکسی سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

دورانِ سفر میں آپ ٹیکسی والے سے گفتگو کر سکتے ہیں خصوصاً جب آپ اس شہر میں اجنبی ہوں۔ لیکن ٹیکسی والے سے ذاتی قسم کی گفتگو سے احتراز کیا جاتا ہے۔ منزلِ مقصود پر کرائے کے علاوہ ٹیکسی ڈرائیور کو کچھ انعام دینا مت بھولیے۔

ہوائی سفر

بذریعہ طیارہ سفر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے سیٹ مخصوص کرائیں۔ عام طور پر کمپنیاں ۴۰ پونڈ وزن کا سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دیتی ہیں۔ طویل مسافت کی صورت میں کچھ زیادہ بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ جن کے پاس ذاتی کار موجود نہ ہو، ان کو ہوائی اڈے تک پہنچانے کے لیے کمپنی کی سواریاں موجود ہوتی ہیں لیکن اس کے لیے اپنا سامان لے کر اس کے دفتر میں پہنچنا پڑتا ہے۔ ان سواریوں کا کرایہ ٹکٹ میں شامل نہیں

ہوتا۔ پھر بھی یہ پوری ٹیکسی کرنے سے کم خرچ ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کمپنی کی سواری میں دیر سے پہنچنے کا امکان کم ہوتا ہے اور تاخیر کی ذمہ داری مسافر کے بجائے خود کمپنی پر ہوتی ہے۔

ہوائی اڈے پر پہنچنے کے بعد آپ کا سامان چیکنگ اور بکنگ کے لیے جاتا ہے اور ضروری کارروائی کے بعد آپ کو سوٹ کیسوں کے چیکنگ کارڈ ملتے ہیں۔ انھیں محفوظ رکھنا چاہیے۔

طیارے میں سوار ہونے سے پہلے مسافروں کے نام اناؤنس کیے جاتے ہیں اور وہ باری باری طیارے میں داخل ہوتے ہیں۔ اندر دروازے پر ایئر ہوسٹس یا لیڈی اسٹوارڈ آپ کا استقبال کرتی ہے اور آپ کا کوٹ اتار لیتی ہے۔ طیارے میں نشستوں کا یہی طریقہ ہے کہ جو پہلے پہنچے گا اس کو اچھی جگہ ملے گی۔ عام طور پر پچھلے حصے (دُم کی طرف) بیٹھنے والوں کو زیادہ جھٹکے لگتے ہیں نشستوں پر سامان لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنا سویٹر، کتاب یا جو بھی مختصر چیز آپ کو ساتھ رکھنی ہے پہلے رکھ لیجیے۔

دوران پرواز میں مشروبات اور طعام وغیرہ پیش کیے جاتے ہیں جس کی قیمت ٹکٹ میں شامل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا بل ادا کرنے اور لانے والے کو انعام دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض کمپنیاں بٹن والے نیپکن (زانو پوش) بھی دیتے ہیں تاکہ طیارے کی لرزش سے کھانے پینے کی چیزیں کپڑوں پر نہ گر سکیں۔ یہ نیپکن بچوں کی طرح گلے میں باندھ لیتے ہیں۔

۵۵ Sleeper Planes شبانہ طیارے۔ شبانہ طیارے

ہوتے ہیں جن میں سونے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس کے تمام قاعدے عام طیاروں کے سے ہوتے ہیں لیکن ڈریسنگ روم میں جاکر لباس تبدیل کرنے کے لیے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس طیارے میں بہت کم سامان کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ منزلِ مقصود پر پہنچ کر ایک دفعہ پھر سامان کو کسٹم آفس میں لے جاتے ہیں اور وہاں سے پروانۂ راہداری ملنے کے بعد اڈے سے باہر نکلتے ہیں۔ جہاں پر کمپنی کی سواریاں اور پرائیویٹ ٹیکسیاں موجود ہوتی ہیں وہ قلی جو سامان گاڑی تک پہنچاتا ہے، انعام کا مستحق ہوتا ہے اس کی اُجرت کے علاوہ کچھ انعام بھی دیتے ہیں۔

سمندری سفر

اس سفر کے لیے بہت پہلے سے تحفظات کرانے پڑتے ہیں۔ درحقیقت مہینوں پہلے سے ٹکٹ اور جگہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کی سفری ایجنسی کے ذریعے انتظام کرائیں۔ اگر جلد ہی واپسی کا ارادہ ہو تو واپسی سفر کا بھی پہلے ہی سے انتظام کر لیں۔ سمندری سفر یقیناً غیر ممالک ہی کو کیا جاتا ہے اس لیے ٹکٹ کے انتظام کی خط و کتابت سے بہت پہلے آپ کا پاسپورٹ اور ویزا مکمل ہونا چاہیے۔ کرنسی کی شکل میں روپیہ لے جانے سے بہتر ہوتا ہے کہ آپ سفری چیک بنوائیں۔ یہ ہر جگہ کے بینکوں کے ذریعے سے کیش کرائے جاسکتے ہیں۔

ٹکٹ لینے اور سیٹ مخصوص کرانے سے پہلے یہ فیصلہ ضروری ہے کہ کس درجے میں سفر کرنا ہے اور کس قسم کا کیبن لینا ہے مثلاً الگ غسل خانہ ساتھ ہو یا نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ضروری ہوتی ہے کہ جہاز کے نچلے عرشے پر سفر

کرنا ہے یا اُوپری حصے پر۔

کیبن میں صرف روزمرّہ کے استعمال کا سامان رکھنا ہوتا ہے اور باقی سامان جہاز کے اسٹور میں باقاعدہ نام، پتہ، ٹکٹ نمبر وغیرہ درج کر کے دوران سفر میں محفوظ رہتا ہے۔

جہاز کی روانگی سے کم از کم ایک گھنٹہ پہلے پہنچنا چاہیے تاکہ تمام ضروری کارروائیاں پہلے سے ختم ہو جائیں۔

اعزّا اور اقربا سے رخصت ہو کر جوں ہی جہاز روانہ ہو:

(۱) سب سے پہلے جا کر کمرۂ طعام کے اسٹوارڈ سے ملیے، اپنی میز کا نمبر اور اس پر کام کرنے والے بیرے سے تعارف حاصل کیجیے۔ بال بچوں والے خصوصاً چھوٹے بچوں والے لوگوں کے لیے کھانے کی اگلی میزیں وقف کی جاتی ہیں۔

(۲) پھر عرشے کے اسٹوارڈ سے مل کر اپنے لیے ڈیک چیئر کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔

(۳) جہاز کا پرسر، خزانچی، پوسٹ ماسٹر اور عام اطلاعات بہم پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ اپنا زیور اور روپیہ گنوا کر اس کے پاس محفوظ کرا دیتے ہیں اگر کرنسی بدلوانی ہوتی ہے تو یہ کام بھی پرسر ہی کرتا ہے۔

دورانِ سفر میں ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے کر اکتا جائیں تو اسٹوارڈ سے کہہ کر کمرۂ طعام میں اور عرشے پر اپنی نشست کا انتظام بدلوایا بھی جا سکتا ہے۔

جہاز کے سفر کا وقفہ بالکل ہوٹل میں وقت گزارنے کے مانند ہوتا ہے

اور اس میں تمام تر وہی قاعدے برتے جاتے ہیں جو ہوٹل میں ہوتے ہیں۔ آپ جتنا دل چاہے جس سے میل محبت اور راہ و رسم پیدا کر سکتے ہیں۔ اپنی میز پر کھانے والوں کے ساتھ عزیزانہ تعلقات ہو جاتے ہیں۔

کپتان کی میز پر صرف وہی لوگ بیٹھ سکتے ہیں جو کپتان کی طرف سے مدعو کیے جائیں۔ لیکن ان کو پورے قاعدوں کا احترام کرنا ہوتا ہے۔ کپتان کے اٹھنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور وقت کی پابندی بھی لازمی ہوتی ہے۔ اگر کسی بنا پر آپ کپتان کے شریکِ طعام بننا ناپسند کرتے ہیں تو کسی معقول عذر کے ساتھ ٹال سکتے ہیں لیکن ہمیشہ شائستگی کے ساتھ اور کپتان کے رُتبے کا احترام کرتے ہوئے ایسا کیا جاتا ہے۔

جہاز کا سفری لباس

سفری ایجنٹ سے اس بارے میں پہلے ہی معلومات حاصل کرنی لازمی ہوتی ہیں۔ ستھرا اور شریفانہ لباس ہی جہاز کے سفر میں گوارا کیا جا سکتا ہے۔ دن کے وقت ہلکا اور سوتی لباس زیبِ تن کیا جا سکتا ہے۔ رات کو گرم علاقوں سے گزرتے وقت بھی ایک کوٹ ضرور پاس رکھنا چاہیے۔ اکثر راتیں اور شامیں ایسے علاقوں میں بھی سرد ہوتی ہیں۔

تیرنے کا لباس اور کھیلوں کے دوسرے لباس صرف اسی حصے میں پہنے جا سکتے ہیں۔ جہاں ان کی ضرورت ہے مثلاً سوئمنگ پول اور اسپورٹس کا میدان اور اس حصۂ جہاز کے علاوہ معقول اور سترپوش لباس پہننا ضروری ہوتا ہے۔ جہاز میں بڑے بڑے ہیٹ پہننا ناپسندیدہ حرکت خیال کی جاتی ہے۔ ڈنر کے

وقت بھی عموماً لوگ جیکٹ پہنتے ہیں ۔

سفر کے خاتمے سے دو روز قبل کیپٹن کی طرف سے رخصتی کھانا دیا جاتا ہے یہ جہاز کے مختصر عرصۂ حیات کا سب سے شاندار دن ہوتا ہے ۔ اس دن مرد پورے لباس میں ہوتے ہیں اور عورتیں بھی شام کا پُر تکلّف لباس پہن سکتی ہیں ۔

جہاز کی پہلی اور آخری رات کو آپ سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ آپ پورے اور پُر تکلّف لباس میں ہوں اس لئے کہ ان دونوں دنوں میں آپ کا سامان بند ہوتا ہے ۔

سمندری سفر میں سب سے زیادہ انعام و اکرام دینا پڑتا ہے ۔ قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ سفر خرچ کے حساب سے تیس فی صد دینا پڑتا ہے ۔ جن لوگوں کو انعام دینا ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) کمرے کا اسٹوارڈ

(۲) کمرۂ طعام کا اسٹوارڈ

(۳) حمام کا اسٹوارڈ

(۴) عرشے کا اسٹوارڈ

اس کے علاوہ دوسرے ادنےٰ ملازمین کو بھی انعامات دینے ہوتے ہیں ۔ جہاز کے افسران کو جن میں پرسر اور چیف اسٹوارڈ بھی شامل ہیں کسی قسم کا انعام نہیں دینا چاہیے ۔

رسمی اور کاروباری خطوط

نجی خطوط کے علاوہ خطوط دو طرح کے ہوتے ہیں :

(۱) رسمی

(۲) کاروباری

رسمی خطوط میں عیادت ، مبارکباد ، تعزیت اور دعوت نامے ہوتے ہیں۔

ہر مکمل خط کی تین خاص منزلیں ہوتی ہیں - ابتدا ، درمیان اور خاتمہ۔ خطوط خواہ کسی قسم کے لکھے جائیں۔ ان میں یہ تینوں منزلیں موجود ہونی لازمی ہیں -

عیادت یعنی مزاج پُرسی سے متعلق خطوط میں بیماری کی خبر اور اس سے متعلق تشویش کا ذکر کرنے کے بعد بیمار کو اُمید افزا باتیں لکھتے ہیں۔ بیمار کے نام جو خط ہوتا ہے وہ مختصر ہی لکھنا بہتر ہوتا ہے - البتہ اُس کی فرمائش طویل خط کے لیے ہو تو بے شک بڑا خط لکھنے میں کوئی قباحت نہیں -

بیمار کے نام جو خط لکھا جاتا ہے اس میں ہر ممکن احتیاط یہ برتی جاتی ہے کہ الفاظ اور لب و لہجہ سے مایوسی یا افسردگی کی کیفیت نمایاں نہ ہونے پائے بلکہ اسے ہر ممکن اُمید دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تعزیت کا خط کئی اقسام کا ہوتا ہے۔ قریبی عزیزوں اور بھائی بہنوں کو جو

خط لکھے جاتے ہیں وہ تو نجی خطوط میں شمار ہوتے ہیں اور اس پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ البتہ دُور کے عزیزوں یا غیروں کو تعزیتی خطوط لکھنے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ ایسے خطوط کے لیے کاغذ عام طور پر سفید استعمال کیا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے یہاں تو کاغذ وغیرہ کو اضافی اور محض ظاہری ٹیپ ٹاپ خیال کیا جاتا ہے۔ اصل چیز تو وہ دلی جذبات ہوتے ہیں جن کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن غیر ملکیوں کے لیے اگر یہ اہتمام کر لیا جائے تو مناسب ہوتا ہے کہ سفید کاغذ ہو اور اس کے چاروں طرف پتلا سا سیاہ حاشیہ ہو۔

عام تعزیتی خطوط یہ مختصر اور پُرخلوص ہوتے ہیں۔ خط لکھتے وقت یہ دھیان رکھتے ہیں کہ ہمارے الفاظ مکتوب علیہ کے صدمے میں اضافہ نہ کریں۔ مثلاً بعض لوگ بڑے جذباتی اور شاعرانہ الفاظ میں خود کو مکتوب علیہ کا شریکِ غم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بہت غلط قسم کی حرکت ہے۔ سادہ اور مخلصانہ خطوط زیادہ پُراثر سمجھے جاتے ہیں۔ تعزیت اور عیادت کے خطوط میں اپنا کوئی کام یا ذاتی مسئلہ نہیں تحریر کرتے۔

مُبارک باد کے خطوط خُوشی کے موقعے پر پُرجوش اور پُراخلاص خط لکھے جاتے ہیں لیکن عبارت آرائی کے وقت اپنے تعلقات اور رشتے کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ ان خطوط میں بھی ذاتی اغراض کا ذکر یا دوسری غیر متعلق باتیں شامل نہیں کی جاتیں۔ ایسے خطوط میں کوئی غم ناک بات لکھنا بھی مناسب نہیں ہوتی۔

دعوت نامے ۔ بعض وقت لوگوں کو خطوط کے ذریعہ مدعو کیا جاتا ہے۔

اس کا مضمون مختصر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ساتھ ہی بلاوے کا صحیح وقت اور دن احتیاط سے لکھتے ہیں۔ جتنے لوگوں کو بلانا مقصود ہو ان کے نام بھی واضح طور پر لکھتے ہیں۔

شکریے کے خطوط

جوابی خطوط میں شکریے کے خط شامل ہوتے ہیں تعزیت اور عیادت کے خطوں کا شکریہ مختصر الفاظ میں لکھتے ہیں۔ مبارکباد کا شکریہ نسبتاً تفصیل اور بے حد اخلاق سے دیا جاتا ہے اور خط لکھنے والے کی محبت کا اعتراف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دعوت ناموں کے جواب میں قبولیت اور انکار دونوں ہی قسم کے خط ہوتے ہیں۔ مثلاً دعوت قبول کرتے ہیں تو اپنے پہنچنے کا صحیح وقت ضرور دیتے ہیں اور گھر میں سے جتنے آدمی جاتے ہیں اُن کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں۔ دعوت نامنظور کرنے کی صورت میں مختصر اور مناسب لفظوں میں معذرت خواہ ہوتے ہیں اور اپنی اس مجبوری کا ذکر ضرور کرتے ہیں جس کی بناء پر شرکت سے قاصر ہوں۔

کاروباری خطوط

کاروباری خطوط کا لہجہ یقینی، غیر ذاتی اور واضح ہونا چاہیے۔ کاروباری خط لکھتے وقت مراتب اور کام کی نوعیت کا لحاظ ضروری ہے۔ جوابی خطوط میں ہمیشہ تاریخ اور حوالہ نمبر درج ہونا چاہیے۔ کاروباری خط مکرمی، محترمی (مکرمہ، محترمہ) سے شروع ہوتے ہیں اور مخلص یا نیاز مند پر ختم کئے جاتے ہیں۔ اکثر محترمی اور مکرمی کے ساتھ نام کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔

دعوت ناموں کے مضمون

دعوت نامے جو چھپوائے جاتے ہیں ان کا

مضمون مختصر اور عبارت خوبصورت ہوتی ہے۔ پہلے زمانے میں بڑی مغلق اور پیچیدہ عبارتیں چھپوائی جاتی تھیں مگر اب عبارت سادہ لکھوائی جاتی ہے مثلاً:

ناہید سلمہا کی چوتھی سالگرہ کی تقریب میں مورخہ ۴ رجنوری سنہ

آپ کی شرکت

باعثِ مسرّت ہو گی۔

رسمِ سالگرہ ۴ بجے شام عصرانہ ۴½ بجے

منجانب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسی طرح سے شادی اور دوسری تقریبات کے کارڈوں کے مضمون سادہ ہوتے ہیں۔ بعض لوگ مغربی طرز پر بھی کارڈ چھپواتے ہیں۔ جن کا مضمون یوں شروع ہوتا ہے۔

بیگم اور قاضی شمس الحق

اپنے فرزند احمد رضا کی شادی میں

مورخہ ۲۳ رجون سنہ بروز پیر۔ ۵ بجے شام کو

مسٹر اور مسز کی شرکت کے متمنی ہیں۔

کارڈ کی دوسری طرف پروگرام درج ہوتا ہے اور ایک کونے میں ج۔ س۔ م۔ ف (جواب سے مطلع فرمائیے) لکھا ہوتا ہے۔

دعوتیں اور ضیافتیں

دعوتیں اور ضیافتیں خیرسگالی اور اچھا تاثر قائم کرنے کی خاطر کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ تاثر اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ دعوت میں صحیح طریقے سے اور نفیس کھانا پیش کیا جائے۔

عام گھریلو دعوتوں میں کھانا قدیم مشرقی انداز سے بھی کھلایا جاتا ہے اور میز کرسی پر بھی۔ قدیم مشرقی انداز سے مُراد یہ ہے، دری چاندنی کے فرش یا تختوں کے چوکے پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا جائے۔

مشرقی انداز کے کھانے میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ دستر خوان بے داغ، سفید اور کشادہ ہو۔ کشادہ دستر خوان سے مُراد مہمانوں کی تعداد کے مطابق طول و عرض کا دستر خوان ہے۔ کھانا لانے سے قبل پلیٹیں خشک کر کے اور اگر جاڑا ہو تو مناسب حدّت پر گرم کر کے لگائی جاتی ہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایک بڑی پلیٹ، ایک روٹی کی چھوٹی پلیٹ اور اگر میٹھے میں کھیر یا فرنی ہو تو کھیر کے سکوروں کا ایک سیٹ پلیٹوں کے سامنے چھوٹے چمچے کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ کھیر کے علاوہ دوسرے میٹھے بھی ہوں تو میٹھا کھانے کی پلیٹیں اور چمچے وغیرہ کھانے کی پلیٹیں بڑھانے کے بعد لگاتے ہیں (یعنی دستر خوان پر سے انھیں اٹھانے کے بعد) ہر تین چار آدمیوں کے درمیان سفل دان (چھوٹی ہنڈیاں

وغیرہ ڈالنے کے خوشنما برتن) لگائے جاتے ہیں۔ سفل دان، تانبے یا پیتل
کا ظرف ہوتا ہے اور اس کی وضع بڑی خوبصورت اور منقش ہوتی ہے۔ یوں
سمجھ لیجئے کہ نازک سے پائے پر ایک پیالہ نصب ہوتا ہے۔ جس پر خوبصورت
ڈھکنا ہوتا ہے اور یہ نمونہ دے کر ٹھٹھیروں سے بنوایا بھی جا سکتا ہے۔ اگر

گرمی کا موسم ہو اور دعوت بہت ہی پُر تکلّف قسم کی ہو تو مٹی کی چھوٹی چھوٹی کاغذی
صراحیاں سجا کر گلاسوں کے ساتھ ہر مہمان کے سامنے لگائی جاتی ہیں۔ ان
صراحیوں کے سجانے کا طریقہ یہ ہے۔ سُرخ رنگ کی باریک شالباف کی ایک
باریک دھجّی کو کمر بند کی طرح سی لیتے ہیں اور اس میں ٹھونس ٹھونس کر جَو بھر
دیتے ہیں۔ پھر اس دھجی کو صراحی پر لپیٹتے ہیں۔ بالکل اس طرح جس طرح حقّے
کا نیچہ لپیٹا جاتا ہے اور ہر بل کے درمیان میں روپہلی دھنک لپیٹتے جاتے ہیں
صُراحی کے لب سے دو اُنگل نیچے لا کر ختم کر دیتے ہیں پھر اس پر پانی چھڑکتے
رہتے ہیں۔ دو چار دن تک ہر وقت تر رہنے سے جَو پھوٹ پڑتے ہیں اور
ان کے سبز سبز اکھوے کچکچا کر باہر نکل آتے ہیں۔ دھنک کی روپہلی چمک
اور شالباف کی سُرخی کے ساتھ مل کر یہ سبزہ عجب بہار دیتا ہے۔ جس وقت

کھانا دسترخوان پر چُنا جاتا ہے تو اُس کی ترتیب یُوں رکھتے ہیں کہ ہر چار یا چھ آدمیوں کے بعد کھانے کا پُورا ایک سیٹ (سالن کے ڈونگے، پلاؤ کی بڑی پلیٹ وغیرہ) موجُود ہو۔ چپاتیاں یا نان روٹی لپیٹنے والے کپڑے میں رکھ کر پھر پلیٹ میں رکھی جاتی ہیں۔ بریانی (پلاؤ) کی قاب کے ساتھ ہی بورانی (پلاؤ کے ساتھ کھانے والا دہی) کا ڈونگا بھی لگایا جاتا ہے۔ روٹی یا شیرمال سالن اور کباب کے درمیان لگاتے ہیں۔ کباب پیش کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ گرمی کے زمانے میں تو ہر بار گرم گرم سیخیں دسترخوان پر پہنچاتے ہیں۔ لیکن جاڑوں میں یُوں بھی کرتے ہیں کہ پیتل یا تانبے کی مناسب سائز کی بیضوی کشتیوں میں پیتل کی یا لوہے ہی کی نیچی اور گول انگیٹھیاں رکھتے ہیں۔ ان انگیٹھیوں کی ساخت ہی اس وضع کی ہوتی ہے کہ ان میں چار یا پانچ چھوٹی چھوٹی سیخیں جمائی جا سکیں۔ ان انگیٹھیوں میں چار چار چھ چھ انگارے ڈال کر اس پر تیار شدہ کباب بڑی سیخ پر سے اتار کر ان چھوٹی سیخوں میں پرو کر جما دیئے جاتے ہیں اور یُوں کھانے کے ہر سیٹ کے قریب یہ انگیٹھیاں لگا دی جاتی ہیں۔

بہت زیادہ شائستہ اور قدیم گھرانوں میں ہر مہمان کے قریب زانو پوش بھی لگائے جاتے ہیں جن کو کھانا شروع کرنے سے پہلے گھٹنوں پر ڈال لیا جاتا ہے۔

دسترخوان کے مرکز میں گھر کے بُزرگ کو یا پھر سب سے زیادہ بُزرگ مہمان کو جگہ دی جاتی ہے۔ مشرقی آداب میں اعزاز مرتبے یا اُونچی حیثیت کا نہیں مانا جاتا بلکہ عمر اور تجربے کی تعظیم کی جاتی ہے۔ میزبان خاص دسترخوان کے

آخری سرے پر مہمانِ خاص کے نزدیک بیٹھتا ہے لیکن اس کی نظر اس سرے سے اُس سرے تک رہتی ہے۔ کھانا شروع کرتے وقت بھی یہ لحاظ رکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ بُزرگ شخص سبقت کرے۔ جب تک کہ دسترخوان پر موجود سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا ہو شروع نہیں کرتا باقی کے لوگ منتظر رہتے ہیں۔

کھانا صرف بسم اللہ کے مختصر الفاظ سے شروع کیا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد کی دُعا کے متعلق پابندی نہیں ہے کہ زور سے پڑھی جائے یا ہر شخص انفرادی طور پر دل میں یا زیرِ لب پڑھ لے۔ عام طور پر لوگ زیرِ لب ہی پڑھتے ہیں۔ دُعا کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

مختصراً الحمدُ للّٰہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

کھانے کے دوران میں گھر کے ایک یا دو افراد دسترخوان پر بیٹھنے کے بجائے انتظام پر کھڑے رہتے ہیں اور یہ تاک رکھتے ہیں کہ اگر دسترخوان پر کوئی چیز کم پڑ گئی ہے یا ٹھنڈی ہو گئی ہے تو اس کی جگہ نئی چیزیں بھجوا دیں یا ٹھنڈی چیزیں اُٹھوا لیں۔

کھانے کی اقسام اور لوازمات میں رات اور دن کا فرق رکھتے ہیں مثلاً رات کے کھانے کی فہرست دن کے مقابلے میں ایسی رکھتے ہیں جو نسبتاً ہلکی اور زُود ہضم ہو۔ سردیوں کے موسم میں رات کے وقت کھیر پیش نہیں کرتے اس لیے کہ اس کی تاثیر بہت سرد ہوتی ہے۔ اسی طرح سری پائے، نہاری

اور کلّے کی دعوتیں دن کے وقت کی جاتی ہیں۔ دن کے کھانے کے بعد پھل پیش کیے جاتے ہیں لیکن پھلوں میں تربوز کو شامل نہیں کرتے۔ نہاری، سری پائے اور کلّے کی دعوت میں دوسرے پُرتکلف کھانے نہیں پکواتے۔ ان چیزوں کے ساتھ بہت سی کتری ہوئی ادرک، ہرا دھنیا، گرم مصالحے اور لیمو یا کھٹا وغیرہ کثیر مقدار میں دسترخوان پر لگاتے ہیں۔ یہ چیزیں ہاضمے میں مدد دیتی ہیں۔ اس قسم کی دعوتوں کے ساتھ ہلکے قسم کی مٹھاس تیار کراتے ہیں۔ خصوصاً گاجر سے تیار شدہ مٹھاس۔ گاجر کا حلوہ یا گجریلا مناسب رہتا ہے اس لیے کہ ان کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے۔ نہاری، پائے اور سری کلّے کی دعوتوں میں برتن بڑھانے کے بعد بدرقہ چنا جاتا ہے یعنی ٹھنڈی تاثیر والے پھل مثلاً مالٹے، سنگترے اور گنڈیریاں بہترین بدرقہ شمار ہوتے ہیں۔ یہ پھل ان گرم تاثیر والے دیر ہضم کھانوں کی گرمی کو زائل کرتے اور ہاضمے میں مدد دیتے ہیں۔ اگر گنڈیریاں دسترخوان پر چنی جاتی ہیں تو پھر چار چار مہمانوں کے درمیان بانس کی ڈھکنے دار چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی ٹوکریاں یا وہ موجود نہ ہوں تو ڈھکنے دار خالی قابیں لگائی جاتی ہیں تاکہ چھلکوں کا ڈھیر دسترخوان پر نہ ہو۔ مالٹوں کے ساتھ نمک دانیاں اور سیاہ مرچ کی شیشیاں بھی ضرور رکھتے ہیں۔ ہاتھ دھونے کے لیے گرمیوں میں تازہ پانی اور تیز سردیوں میں سہنا سہنا گرم پانی لوٹے میں موجود ہوتا ہے۔ سلفچی میں ہری ہری دوب (نئی گھاس کی کٹنگ) جما دیتے ہیں تاکہ چھینٹے نہ اڑیں دوسرے اس کے سوراخوں میں سے ایک دم ہی پانی گرنے کی آواز سنائی نہ دے بلکہ گھاس میں سے قطرے چھن چھن کر ٹپکتے رہیں۔ کھانے کے بعد پان، الائچی، چکنی ڈلی اور گوٹا پیش کیا جاتا ہے۔

پان چاندی کے خاصدان میں پیش کرتے ہیں۔ خاصدان میں چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں الائچی اور تمباکو رکھتے ہیں اور اس کے درمیان میں ایک ڈنڈے پر چاندی کے دل یا کیری یا چھلّے کے ساتھ چاندی کی باریک باریک زنجیر سے چاندی کی میخیں منسلک ہوتی ہیں۔ اس کو پانوں کا گچھا کہا جاتا ہے۔ ان کیلوں میں پانوں کی سادی یا چاندی کے ورق لگی گلوریاں لٹکتی ہوتی ہیں . . . . چاندی کے ورق محض ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے نہیں لگائے جاتے بلکہ ان کی تاثیر قلب کے لیے اچھی بتائی جاتی ہے اور گرم اور ثقیل کھانوں کی گرمی کے بعد پان کے ساتھ اس کو کھانے سے تھوڑا بہت ازالہ ہو جاتا ہے۔ جن گھروں میں خاصدان موجود نہیں ہوتا وہاں یہ چاندی یا تانبے کی خوبصورت تھالی میں سُرخ صافی پر وھنک ٹانک کر اس میں گلوریاں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں۔

کشمیری چائے رات کے کھانے کے بعد اور اکثر سردیوں میں دن کے وقت بھی کھانے کے بعد کشمیری چائے پیش کی جاتی ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب ہی ایسی ہوتی ہے کہ یہ ہاضم اور مفید بن جاتی ہے۔ عموماً اُونچے گھرانوں میں یہ چائے پیالیوں کی بجائے چینی کے نفیس پیالوں میں پی جاتی ہے۔ یوں تو کشمیری چائے کا جوڑ باقرخانیوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اس صورت میں جب صرف چائے ہی کی دعوت ہو لیکن کھانے کے بعد جو چائے پی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ میوہ یا گزک ہی ہوتی ہے۔

کھانے کے دوران میں گفتگو ۔ ہمارے یہاں کھانے کے دوران میں

بے تحاشا گفتگو قابلِ اعتراض سمجھی جاتی ہے تاہم بالکل خاموش ہو کر کھانے پر جُٹ جانا بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر مہمانِ خاص یا پھر سب سے زیادہ بُزرگ شخص سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کھانے کے دوران میں کوئی دلچسپ واقعہ یا چُٹکلا بیان کرے۔ جس وقت ایک شخص بات کرتا ہے تو باقی سب اس کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔

تکلّفات خاطر اور مدارات میزبان کا فرض ہوتا ہے لیکن مہمانوں سے یہ توقّع نہیں کی جاتی کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ چڑیا کی زبان اور مانڈے کا پھپولہ کھانے والوں میں سے ہیں۔ اپنے میزبان سے اپنی بے انتہا خاطر کرانا اور بے حد اصرار کرانا بدتہذیبی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دسترخوان پر کوئی بھی ٹوٹ کر نہیں گرتا لیکن یہ بھی غلط ہے کہ بہت اصرار کے بعد ہی دو چار نوالے کھائیں۔ اس قسم کا تکلّف میزبان کی دل شکنی اور توہین سمجھی جاتی ہے۔

دُوسری طرف میزبان سے بھی یہ توقع نہیں کی جاتی ہے کہ وہ مہمان کی جان کو آجائے۔ مرغن اور پُرتکلّف کھانا یُوں بھی کم کھایا جاتا ہے۔ دراصل اسلامی تہذیب کا یہ پہلو اگر دونوں کے ذہن میں موجُود ہو کہ دسترخوان پر سے بھُوکے اُٹھنا یا حد سے زیادہ کھانا معیوب ہے تو نہ مہمان بے جا تکلّف کرے اور نہ میزبان ناحق کا اصرار کرے۔

بے تکلّف دوست اور عزیز بے تکلّف عزیزوں اور دوستوں کی دعوت میں اتنا زیادہ اہتمام نہیں برتا جاتا ہے بلکہ ان کی دعوت میں خود ان کی پسند اور فرمائش بھی شامل رکھتے ہیں۔

دعوت میں شرکت کرنے والوں میں سے اگر کسی کا کوئی خاص پرہیز ہو تو وہ دریافت کرکے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

دعوت قبول کرنے والوں کو بھی لازم ہوتا ہے کہ دعوت کے قبول کرتے وقت ہی یہ بتادیں کہ ان کو کن چیزوں سے پرہیز ہے عین کھانے کے وقت یہ انکشاف کرنا کہ ہمیں تو یہ چیزیں کھانا ہی نہیں بے جا ہوتا ہے۔

مغربی طرز کی دعوتیں لنچ یا لنچین اور ڈنر

ایک ڈیڑھ بجے کے قریب دوپہر کے کھانے کو لنچ کہا جاتا ہے۔ لنچ پر کسی کو صرف روزمرّہ کا کھانا بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور پُرتکلّف قسم کا کھانا بھی کھلایا جاتا ہے لیکن لنچ۔ ڈنر یعنی رات کی ضیافت کے مقابلے سادہ اور بے تکلّف قسم کی دعوت ہوتی ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے۔ لنچ اور لنچین میں فرق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لنچین Lunchoen اور لنچ میں کوئی فرق نہیں ہوتا صرف تحریری فرق ہے۔

ڈنر رات کی ضیافت ہے۔ اس کے قواعد اور تکلّفات بے انتہا ہوتے ہیں اور اس میں مہمان اور میزبان دونوں کو اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی ضیافتوں میں میز کی سجاوٹ کھانوں کے اہتمام اور دوسرے لوازمات کی تفصیلات بے انتہا ہیں اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذکر علیحدہ کیا جائے۔

لنچ

یہ ایک سادہ اور بے تکلف قسم کی دعوت کہی جا سکتی ہے۔ اپنے بے تکلف دوستوں، پڑوسیوں یا کاروباری سلسلے میں شناسا لوگوں کو روزمرہ کے کھانے پر بھی بُلایا جا سکتا ہے۔

لنچ نسبتاً سادہ اور بے تکلف دعوت ہے۔ اس میں زیادہ اہتمام نہیں ہوتا (نہ شراب وغیرہ کثرت سے پی جاتی ہے) اور مہمان بھی جلد ہی رخصت ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ہفتے اتوار کے عام طور پر خواتین کی گھریلو دعوتیں لنچ ہی کے طور پر ہوتی ہیں۔ اور ان دونوں میں اگر مرد کسی کو لنچ پر مدعو کرتے ہیں تو کسی ہوٹل یا ریسٹوران میں کھانا کھلاتے ہیں۔

لنچ پر ٹیلیفون کے ذریعے، زبانی یا دستی رقعے کے ذریعہ مدعو کیا جا سکتا ہے۔ اس کا صحیح وقت تو ایک اور ڈیڑھ کے درمیان ہے لیکن بے تکلف قسم کے لنچ کے وقت میں اپنی اور دوستوں کی سہولت دیکھ کر دیر سویر کی جا سکتی ہے۔ لنچ کے لیے میز بھی ڈنر سے مختلف انداز پر لگائی جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے لنچ میں بھی میز پر سفید پھولدار چادر (ڈنر ٹیبل کی مخصوص چادریں جن کو white damask کہا جاتا ہے) نہیں بچھائی جاتی۔ روزمرہ استعمال ہونے والی صاف چادر پر لینن میٹس اور ان کے جوڑ کا رنر لگاتے ہیں یا اگر مختلف چھوٹی کارڈ ٹیبل اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو میچنگ میز پوش ڈال دیتے ہیں۔ لنچ کی میز پر موم بتیاں نہیں سجاتے۔ جس طرح ڈنر ٹیبل پر

مکھن اور اس کی پلیٹوں کی موجودگی قابل اعتراض سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح لنچ کی میز پر اس کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ مکھن اور روٹی لنچ کا ضروری جزو ہوتا ہے لنچ کے لیے کراکری اور کٹلری بھی بڑھیا اور بھاری قسم کی استعمال نہیں کرتے۔

دن کے کھانے میں روسٹ کسی صورت میں پیش نہیں کرتے۔ روسٹ اور گوشت ڈنر کے لوازمات ہیں۔ لنچ پر تو دو یا تین کورس بہت ہوتے ہیں۔ جس میں پنیر، انڈے اور سبزیاں شامل ہوتی ہیں۔ سوپ بھی ہوتا ہے۔

لنچ کے وقت سوپ ان گہرے سوپ بولز میں پیش نہیں کیا جاتا ہے۔ جو ڈنر کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ دن کو چھوٹے اور معمولی پیالوں میں سوپ سرو کرتے ہیں اور چھوٹے چمچوں سے پیا جاتا ہے۔ لنچ کا سب سے پہلا کورس پھلوں کا ہوتا ہے۔

لنچ کی میز پر بیٹھنے کی ترتیب یوں تو وہی رہتی ہے جو ڈنر کے وقت رکھتے ہیں لیکن اگر محفل میں گھر والی بیگم کے سوا کوئی دوسری خاتون موجود نہ ہو تو پھر گھر والی کے دائیں ہاتھ پر مہمانِ اعلیٰ بیٹھتا ہے اور باقی لوگ جیسا دل چاہتا ہے بیٹھ جاتے ہیں۔

کھانے کے بعد چائے یا کافی کا دور ضروری ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں ٹھنڈی کافی بھی پیش کی جاتی ہے۔ یوں تو کافی وغیرہ ڈرائنگ روم میں پیش کی جاتی

جاتی ہے لیکن اکثر کھانے کی میز پر بھی پلائی جاتی ہے ۔

ایوننگ پارٹی اکثر لوگ ایوننگ پارٹیوں میں مل بیٹھ کر بات چیت کرنے کو بہت زیادہ دلچسپ سمجھتے ہیں۔ ان پارٹیوں میں زیادہ تکلفات کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ یہ پارٹیاں گرمیوں میں لان پر اور سردیوں میں ڈرائینگ روم میں دی جاتی ہیں ۔ ان پارٹیوں میں بہت زیادہ کھانے کی اشیاء کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ البتہ مشروبات کے ساتھ ایک آدھ ہلکی پھلکی چیز اچھی رہتی ہے ۔

عصرانہ یہ شام کی پر تکلف دعوت ہے ۔ یہ اکثر تقریبات کے موقعوں اور کسی کے اعزاز میں دیا جاتا ہے ۔ بڑے بڑے اداروں وغیرہ کی جانب سے دعوت عصرانہ ہی دی جاتی ہے ۔ اگر بہت بڑے پیمانہ پر دعوت ہوتی ہے تو کسی ہوٹل، ریسٹوران وغیرہ کے ذریعہ انتظام کرا لیتے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے گھرانے اپنا نجی انتظام بھی کر لیتے ہیں ۔

چائے چائے پر مدعو کرنے کا اصلی وقت چار پانچ بجے تک ہوتا ہے۔ سوائے اتوار یا چھٹی کے دن کی چائے پر عام طور پر صرف خواتین ہی بلائی جاتی ہیں ۔ چائے کی دعوت اکثر کسی نئی بہو یا لڑکے کی منسوبہ کو اپنے ملنے والوں سے ملوانے کے سلسلے میں دی جاتی ہے ۔ اکثر کسی مشہور اور معروف شخص سے ملوانے کی خاطر بھی چائے پر بلاتے ہیں ۔

بلاوے غیر رسمی طریقے سے دیئے جاتے ہیں ۔ فون کر کے کہہ دیتے ہیں ۔ اکثر اپنے وزیٹنگ کارڈ ہی پر لکھ دیتے ہیں ۔

½ ۴ بجے شام پیر کے دن بیگم افروز بُلبل سے
بیگم نجمہ حیدر کے یہاں
چائے پر ملیے
۲۱- ایبٹ روڈ- لاہور

۵ دسمبر کو مینا بازار کی میٹنگ کے سلسلے میں
مس شہلا چودھری کے یہاں
۵ بجے شام کو چائے پر تشریف لائیے
اسلام منزل - ۲۱ ماگھ بازار- ڈھاکہ

۶. یزہ مینو کے ڈگری حاصل کرنے کی خوشی میں
بیگم رقیہ اسلام
آج ۴ بجے شام چائے پر آپ کی منتظر ہیں
اسلام منزل - ۲۱ ماگھ بازار- ڈھاکہ

کارڈ کے علاوہ رقعے کے ذریعے بھی بُلا دیا جاتا ہے۔
چائے اُٹھنے بیٹھنے کے کمرے میں بھی پلائی جاسکتی ہے اور کھانے کے کمرے میں میز پر بھی لگائی جاسکتی ہے۔ دُوسری صحبت میں چائے کی کشتی بھی ہوئی ضرور موجود ہونی چاہیے۔ اَدبچے اور جمے جمائے گھروں میں چائے کی کشتی

چاندی کی ہوتی ہے مگر یوں بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ کشتی میں حسب ذیل اشیاء کا ہونا ضروری ہے :

(۱) چائے دان کے علاوہ اسپرٹ کے لیمپ یا چھوٹے اسٹوو پر چائے کی کیتلی۔

(۲) چھلنی

(۳) چائے کا پیالہ

(۴) شکر دان۔ شکر کے کیوب زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔

(۵) شکر کے ٹکڑے پکڑنے والی چمٹی۔

(۶) ایک پلیٹ میں لیموں کے قتلے۔

(۷) پیالیاں، طشتریاں اور چمچے۔

کھانے کی کوارٹر پلیٹیں بھی ایک طرف موجود ہونی چاہئیں۔ پلیٹیں اوپر تلے اس طرح رکھیں کہ ہر پلیٹ میں نیپکن تہہ کیا ہوا رکھا ہو۔ اگر توسوں پر جام لگاکر دیتے ہیں تو اس کے لیے چھوٹی چھریاں اور کانٹے بھی موجود ہوتے ہیں۔ اگر بہت پُر تکلف چائے کا اہتمام ہوتا ہے تو ایک طرف کافی کا بھی سامان لگاتے ہیں۔

چائے کے لوازمات میں توس مکھن، جام، سینڈوچز، چھوٹے چھوٹے کیک پیسٹریاں، نمک پارے، مٹھائی، بھُنی ہوئی دال وغیرہ شامل ہیں۔ ہمارے یہاں توس مکھن چائے پر کم ہی رکھا جاتا ہے۔

چائے بنانے کا کام گھر کی بیگم کو کرنا پڑتا ہے۔ یا پھر وہ کسی دوست کو

اپنی جگہ بٹھا دیتی ہیں۔ چائے بنانے والی میز کے قریب بیٹھ جاتی ہیں۔ کھولتا ہوا پانی چائے دان میں ڈال کر تھوڑی دیر رنگ آنے کا انتظار کرتی ہیں اور ہر مہمان سے دریافت کر لیتی ہیں کہ تیز چائے چاہیے یا ہلکی۔ پھر ہر ایک کے حسب دلخواہ چائے بناتی ہیں اور جن کو کافی چاہیے انھیں کافی بنا کر دیتی ہیں۔ چائے میں جتنا دُودھ یا کریم پینے والے کو پسند ہوتی ہے ڈال دیتی ہیں اور جو روسی چائے پینا چاہتے ہیں ان کی چائے میں نیبو اور شکر ڈالتی ہیں۔ چائے کی پیالی خود اٹھا کر ہر ایک کے ہاتھ میں دیتی ہیں۔ کھانے پینے کا سامان ہر ایک کو خود لینا پڑتا ہے۔

چائے کے مہمانوں کو بر وقت پہنچنا چاہیے لیکن اگر بہت بڑی پارٹی ہے تو پھر ایک گھنٹہ کی دیر قابل لحاظ ہوتی ہے۔ جب تک چاہیں ٹھہر سکتے ہیں۔ میزبان کے استفسار پر کہ کیسی چائے پسند ہے اس کو بتا دینا چاہیے کہ ہلکی یا تیز چائے، کتنی شکر کے ساتھ پینی ہے، دودھ کی چائے پینی ہے یا پھر لیموں کی چائے پسند ہے۔ میزبان کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لیتے ہی نیپکن اور پلیٹ اٹھا کر اپنی دل پسند چیزیں اس میں رکھ لیتے اور اپنے لیے کوئی جگہ تلاش کر لیتے ہیں۔

اگر بہت جلدی جانا ہے تو میزبان سے اجازت لے کر چلے جانا چاہیے۔ اس وقت میزبان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ رخصت کرنے اٹھے، چائے کی میز پر سے اٹھنا اس کے لیے باعثِ زحمت ہوتا ہے۔

چائے کے موقعے پر مناسب اور ہلکے لباس پہنتے ہیں۔

کافی اور ڈزرٹ پارٹی

اس قسم کی پارٹیوں کو ڈنرز کا نعم البدل کہا جا سکتا ہے۔ جن گھروں میں ملازم نہیں ہوتے وہ ڈنر کے لوازمات اور تکلفات کو برداشت کرنے میں دقّت محسوس کرتے ہیں اور رات کے کھانے کے بعد لوگوں کو کافی پینے کے لیے بلا لیتے ہیں۔ جس دن یہ پارٹی دی جاتی ہے۔ اس دن گھر والے رات کا کھانا جلدی جلدی ختم کر دیتے ہیں اور پھر میز صاف کر کے اسی پر کافی کا سامان اور لوازمات لگاتے ہیں۔ ایک بڑا ڈزرٹ کیک درمیان میں رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ رات کے کھانے کے بعد کی دعوت ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں اس کیک اور میووں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیش کرتے۔ کافی البتہ وافر طور پر بناتے ہیں اور ایک ایک مہمان کو کئی کئی پیالیاں دیتے ہیں۔ اس دعوت میں بھی کشتی اسی طرح پر تیار کرتے ہیں جس طرح چائے کی دعوت میں کرتے ہیں۔

کنواروں اور تنہا رہنے والوں کو دعوت

کنوارے مردوں یا جن کی بیویاں مر چکی ہوں یا پھر وہ کسی غیر ملک سے آ کر کچھ عرصے کے لیے مقیم ہوں۔ ان سے بڑی دعوتوں اور پارٹیوں کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے لیکن پھر بھی دوسروں کی دعوتوں اور پارٹیوں کا احسان چکانے کے لیے انھیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ مثلاً جہاں پر مدعو کیے جاتے ہیں۔ وہاں اکثر گھر کی بیگم کے لیے پھول یا کوئی اچھے قسم کی کتاب لے جاتے ہیں یا پھر اس کے بچوں کے لیے چھوٹے موٹے تحفے لے جاتے رہتے ہیں۔ یہی ترکیب غیر شادی شدہ لڑکیوں یا عورتوں کے لیے بہتر

رہتی ہے۔

عام طور پر کنوارے اور تنہا لوگ جن کمروں میں رہتے ہیں وہ بے حد مختصر ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھار وہ اپنے چند ملاقاتیوں کو بلا سکتے ہیں اور کھانا بوفے کے انداز میں کھلایا جا سکتا ہے۔ ایسے موقع پر کسی عزیز یا ملنے والی لڑکی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ پہلے سے آکر ذرا ہاتھ بٹا دے اور اس طرح وہ قبل از وقت آکر پکانے میں بھی مدد دے سکتی ہے اور میزبانی کے تمام فرائض ادا کرتی ہے۔ اسی طرح سے لڑکیاں کسی مرد کو اپنی دعوت میں اپنے ساتھ میزبانی میں شریک کر سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں۔ البتہ بہت قریبی عزیز ہو تو دوسری بات ہے۔ اس میں یہ قباحت رہتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شبہ کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں اتنے لوگوں میں صرف ایک ہی شخص کو منتخب کیا ہے تو ضرور کوئی خصوصیت اور خاص بے تکلفی ہو گی۔ چونکہ یورپ اور امریکہ میں بھی اس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور لوگ ان پر باتیں بناتے ہیں۔ اس لیے اتنی احتیاط رکھتے ہیں کہ جب اس قسم کی دعوت کرتے ہیں تو مہمانوں کو دیر تک روکتے ہیں تاکہ برتن سمیٹنے اور صاف کرنے کا وقت مل جائے اور وہ لڑکی یا شخص جو میزبانی کا مددگار تھا۔ وہ بھی اوروں کے ساتھ رخصت ہو جائے اور لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہ ملے۔

ڈنر

ڈنر کے اوقات شام کے چھ سے ساڑھے آٹھ تک ہوتے ہیں۔

اس کے لیے زیادہ اہتمام اور تکلفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ڈنر دینے کا ارادہ کرنے سے پہلے اپنی سہولت دیکھ لینی چاہیے۔ گھریلو ڈنر کے بلاوے غیر رسمی طور پر دیئے جاتے ہیں اور دوسری پارٹیوں وغیرہ کی طرح فون، خط یا کارڈ کے ذریعہ دیئے جا سکتے ہیں۔ جن گھروں میں ملازم نہیں ہوتے یا صرف ایک ہی ملازم ہوتا ہے وہ کام کو دو دنوں پر تقسیم کر لیتے ہیں۔ ایک دن پہلے گھر کی صفائی، سلور اور پیتل کا سامان چمکانے کا کام کیا جا سکتا ہے مشکل قسم کے پکوان کی تیاری بھی رات ہی سے کر لی جاتی ہے۔ دعوت سے متعلق تمام ضروری اشیاء کی فہرست بھی ایک دن قبل ہی تیار کر کے سامان خرید لیتے ہیں۔ کوشش یہ کرتے ہیں کہ مہمانوں کی آمد سے قبل الجھاوے کا ہر کام ختم کر لیا جائے تاکہ گھر کی بیگم سکون سے بیٹھ کر مہمانوں کی خاطر مدارات کر سکے جن گھرانوں میں مے نوشی جائز سمجھی جاتی ہے۔ وہاں یہ کرتے ہیں کہ کوک ٹیل کا تمام سامان ڈرائینگ روم میں مہیا کر کے گھر کی بیگم خود انتظام کے لیے ٹل جاتی ہے لیکن اس کی عدم موجودگی اس حد تک طویل نہ ہونی چاہیے کہ مہمان یہ سوچ کر شرمندہ ہونے لگیں کہ ہماری خاطر میزبان بیگم کو اتنی دقت محنت کرنی پڑ رہی ہے۔

مہمانوں کو مدعو کرتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اپنے ڈائننگ روم

(کمرۂ طعام) فرنیچر اور کراکری کی گنجائش دیکھ کر مہمان بلائے جائیں۔ کمرے میں گنجائش نہیں ہوتی تو بوفے کر دیتے ہیں۔

بوفے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک یا دو میزوں پر کھانے کا سامان پلیٹیں اور کٹلری کا سامان لگا دیتے ہیں اور کمرے سے کرسیاں ہٹا دیتے ہیں۔ ہر مہمان اپنی اپنی پلیٹ لے کر اس میں مختلف کھانے رکھ لیتا ہے اور کھڑے کھڑے کھانا شروع کر دیتے ہیں جو ڈنر بوفے ہوتا ہے۔ اس میں مختلف کورس اور پلیٹیں بدلوانے کا جھنجھٹ نہیں ہوتا جس جگہ ملازم نہ ہو یا کم ہوں وہاں پر اس قسم کے ڈنر کی سہولت رہتی ہے۔

ڈنر خواہ بوفے ہو یا باقاعدہ ڈنر ہو اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری دو باتیں ہیں۔ کھانا بر وقت اور موسم کے لحاظ سے تیار ہو اور میز تمام رسمی تکلفات سے پوری طرح آراستہ ہو۔

ڈنر ٹیبل کی آرائش ایک باقاعدہ اور مستقل فن ہے۔ اس کی آرائش کے لیے نہ صرف باقاعدہ توجہ کی ضرورت ہے بلکہ اس میں اپنے ذوقِ سلیم اور جدت طرازی کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔

میز کی چادر

ان دنوں ٹیبل میٹس کا رواج زیادہ ہوتا جا رہا ہے لیکن آج بھی سفید پھول دار چادروں اور ان کے جوڑ کے نیپکن چوٹی کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

بغیر چادر کے جو میز استعمال کی جاتی ہے اس کی سطح ایسی ہونی چاہیے جو داغ دھبے نہ قبول کر سکے۔ ایسی خوش رنگ پالش والی چمک دار میزوں

پر کروشیا کے بنے ہوئے منڑ پیس اور میٹ رس بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ میز کی سطح کے مقابل شوخ رنگ کے ظروف اور چمکتی ہوئی کٹلری بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

علاوہ کروشیا کی میٹ رسوں کے ایپلیک ورک، سے لے کر سستی سے سستی اور قیمتی سے قیمتی میٹ رس دستیاب ہوتی ہیں اور استعمال کی جا سکتی ہیں۔

میٹ رس بچھاتے وقت یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کراکری (ڈنر سیٹ اور گلاس) پھولدار یا مصور ہے تو اس کے نیچے سادہ یا محض ہلکے سے رنگین حاشیے والی میٹ رس بچھاتے ہیں اور سادہ یا محض رنگین کراکری کے ساتھ پھول دار اور کڑھی ہوئی میٹ رس بھلی معلوم ہوتی ہے۔

کارک یا پلاسٹک کی میٹ رس بھی استعمال کی جاتی ہیں لیکن یہ عام طور پر بے تکلف مجمعوں اور معمولی قسم کی کراکری کے ساتھ چلتی ہیں۔ کپڑے کی میٹ رس کے ساتھ رنز بھی انھیں کے ساتھ میچ کرتا ہوا ہونا چاہیئے۔

کپڑے کی میٹ رسوں کے ساتھ میچنگ یا سادہ سفید نیپکن چل جاتے ہیں۔

اگر میز پر چادر بچھاتے ہیں تو اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھتے ہیں۔ سفید damask کے ساتھ سفید اور سادہ کراکری اور اسٹین لیس stainless اسٹیل کی کٹلری بہت افسردہ تاثر قائم کرتی ہے۔ ایسی چادروں کے ساتھ خوش رنگ کراکری اچھی لگتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی چادر بچھاتے ہیں تو نفیس خوش وضع برتن بھی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح کڑھی ہوئی

یا لیس کی بنی ہوئی چادروں کے ساتھ بھی نفیس برتن اور کراکری استعمال کی جاتی ہے۔ بہت زیادہ اہتمام سے سجائی ہوئی میزوں پر میچنگ نیپکن استعمال کرتے ہیں۔ میز کی چادر کم سے کم بارہ انچ لٹکتی ہونی چاہیے۔

سنٹر پیس

سنٹر پیس کے اوپر کسی گلدان میں موسمی پھولوں کی آرائش ساری میز کو جاندار بنا دیتی ہے۔ چاندی کے طشت میں تازہ اور خوش رنگ پھل اور یہ گلدان ہی میز کی زینت کو دوبالا کر دیتا ہے۔

لیکن سنٹر پیس سجاتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ میز کا زیادہ حصہ نہ گھیر لے۔ اگر میز زیادہ لمبی چوڑی نہ ہو تو سنٹر پیس کا خیال ہی ترک کر دینا چاہیے۔

شمعیں

ڈنر ٹیبل پر شمعوں کی روشنی ایک بڑا ہی دلچسپ اور گمبھیر تاثر قائم کرتی ہے لیکن جس طرح سنٹر پیس کی آرائش کے وقت میز کی کشادگی کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح شمعدانوں کی جسامت اور شمعوں کی تعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ چھوٹی میز پر دو شمعدانوں میں دو شمعیں میز کے دونوں سروں کی طرف مناسب ہوتی ہیں، بڑی میزوں پر البتہ چار شمعوں والے شمعدان ٹھیک ہوتے ہیں۔ شمعدان بڑے خوبصورت منقش اور چاندی کے ہوتے ہیں ان کو خوب صاف ستھرا اور دمکتا ہوا ہونا چاہیے۔

سلور (چھری کانٹے اور چمچے) لگانے کے قاعدے

سلور کو بہت ہی سلیقہ سے میز پر لگانا چاہیے۔ ہر پلیٹ کے نزدیک ایک ایک انچ کے فاصلے سے اس طرح ترتیب دینا چاہیے کہ وہ پلیٹ کی آڑ میں نہ ہو جائیں۔ کانٹے

بائیں طرف لگائے جاتے ہیں۔ چھریاں اور چمچے سیدھے ہاتھ کی طرف لگائے جاتے ہیں۔

کانٹوں کی نوک اُوپر کی طرف ہونی چاہیے۔ چھُری کی نوک پلیٹ کی طرف ہوتی ہے اور چمچے کا سرا اوپر کو ہونا چاہیے۔ چمچے چھریوں کی داہنی طرف رکھے جاتے ہیں۔ کھانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر کورس کے لیے چھری کانٹے اٹھائے جاتے ہیں اور پلیٹ خالی ہونے پر جھوٹی سلور کو اسی کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں سب سے پہلے جو چمچہ استعمال ہوتا ہے وہ سوپ پینے کا چمچہ ہوتا ہے۔

اگر کھانے میں گوشت، سوپ، سلاد اور ڈزرٹ ہے تو سلور کی ترتیب حسب ذیل ہوگی:

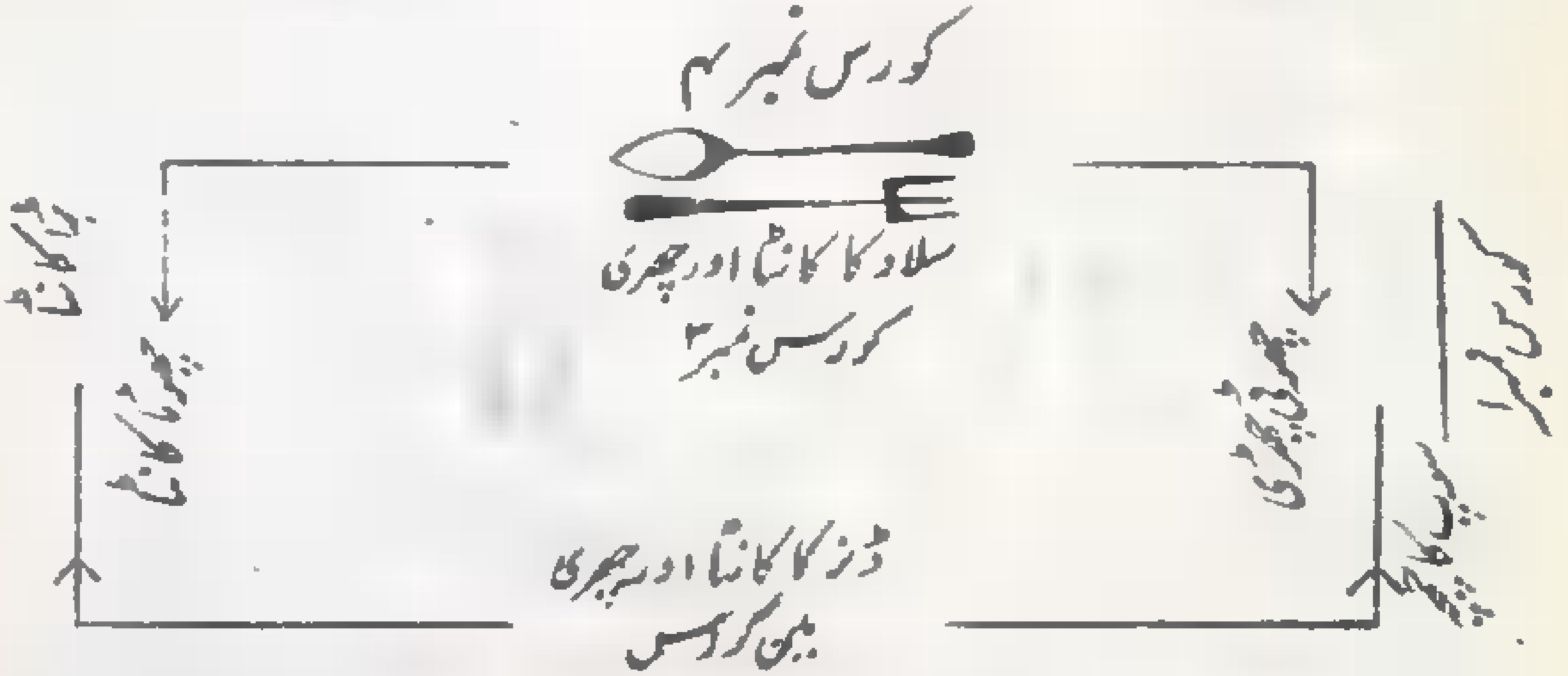

جو ڈنر بوفے کے طریقے سے کھایا جاتا ہے اس میں چھری کا استعمال نہ ہونے کے برابر کیا جاتا ہے۔

سلاد کی پلیٹ روسٹ یا کولڈ میٹ کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ اگر سلاد کا کانٹا اور چمچہ برتنوں کے ساتھ رکھ دیں تو کوئی قباحت نہیں ہوتی۔

سلاد کی پلیٹ کانٹوں کے بائیں طرف رکھی جاتی ہے۔

پانی کا گلاس سیدھے ہاتھ کی طرف چھری کی نوک کے مقابل رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اور مشروب بھی رکھنا ہو تو اس کو بھی سیدھی طرف اس گلاس کے قدرے سامنے کی طرف رکھتے ہیں۔

نیپکن یا تو کانٹوں کے بائیں طرف متوازی انداز میں رکھتے ہیں یا پھر پلیٹ کے اندر بھی رکھا جاتا ہے لیکن پلیٹ میں جب ہی رکھتے ہیں جب پہلا کورس نہیں کھانا ہوتا۔ نیپکن کی پیچیدہ تہیں مذاقِ سلیم پر گراں گزرتی ہیں۔ خوش مذاق لوگ متوازی الاضلاع کی مثلث کی یا پھر ڈھال کی شکل کی وضع پر تہ کرتے ہیں۔

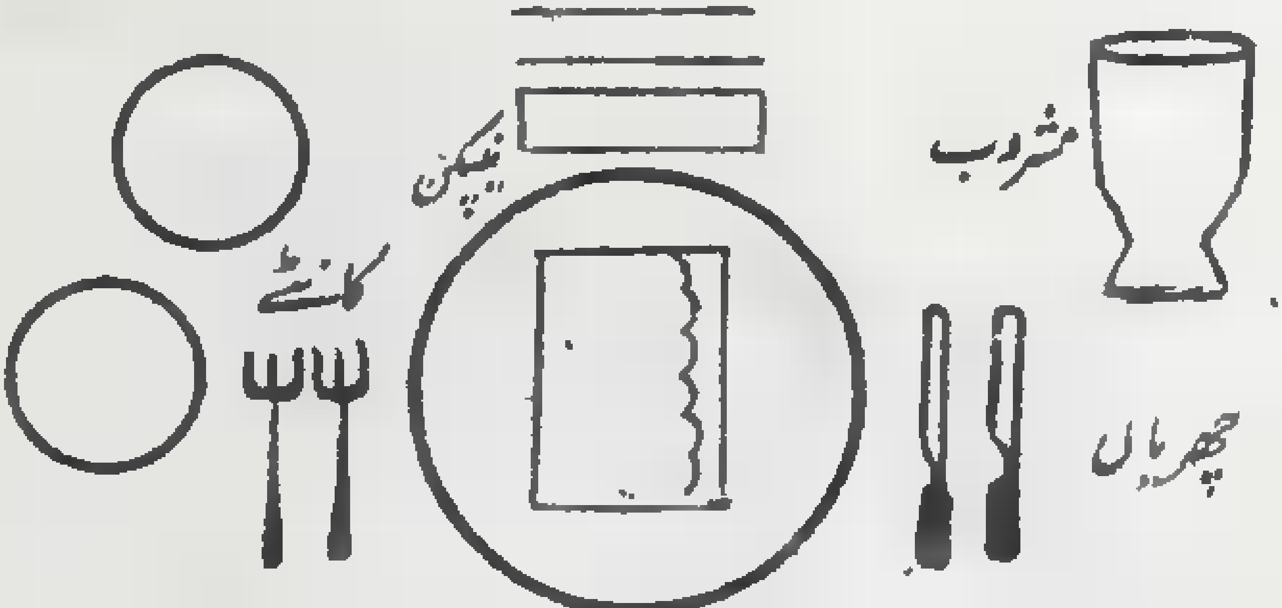

ہر دو مہمانوں کے درمیان نمک دانیاں اور سیاہ مرچ کی شیشیاں لگائی جاتی ہیں۔ اگر گھر میں خدمت کے لیے بیرا موجود ہو جب بھی گوشت اور روسٹ عام طور پر گھر والی ہی کاٹ کاٹ کر تقسیم کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے روسٹ وغیرہ کی پلیٹ اور اس کی دائیں طرف چھریاں گھر والی کی نشست کی طرف رکھی جاتی ہیں۔

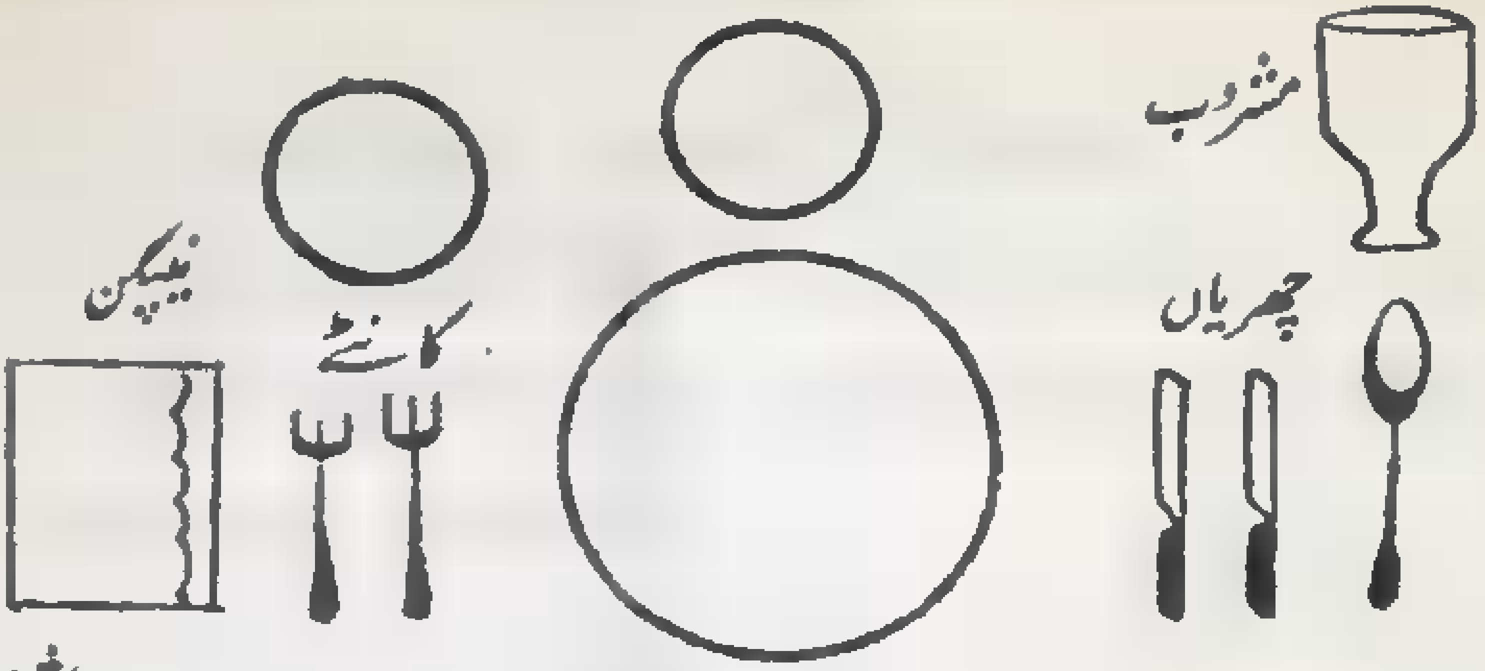

ساتھ ہی قریب ہی گرم پلیٹیں بھی موجود رہتی ہیں جن میں کاٹ کاٹ کر گوشت سرو کیا جاتا ہے۔

یہ تمام لوازمات مہمانوں کے آنے سے قبل تیار رہنے چاہئیں۔ جس وقت کھانے کا وقت ہوتا ہے تو شمعیں روشن کرنے اور میز پہ کھانا منگوانے کے بعد مہمانوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ کھانا تیار ہے۔

ڈنر کے وقت نشستوں کا خیال رکھنا بڑی اہم چیز ہوتی ہے۔ اس کی ترتیب یوں کی جاتی ہے کہ معزز خاتون کو گھر کی بیگم کے دائیں طرف جگہ دی جاتی ہے اور معزز مہمان کو صاحب خانہ کی دائیں طرف جگہ ملتی ہے۔ یہاں معزز مہمان سے مراد سب سے عمر رسیدہ مہمان۔ وہ شخص جو پہلی پہلی مرتبہ مہمان آیا ہو یا پھر وہ شخص ہوتا ہے جس کے اعزاز میں دعوت کی گئی ہو۔ باقی لوگوں کے بیٹھنے کی ترتیب یہ ہوتی ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کی یہ ترتیب رکھتے ہیں کہ ایک کا میاں اور دوسرے کی بیوی قریب قریب بیٹھیں۔

میزبان کے سامنے خاص ڈش اور پلیٹوں کا گٹھا ہوتا ہے۔ میزبان پلیٹوں میں گوشت وغیرہ نکال نکال کر تقسیم کرتا ہے۔ پلیٹ اٹھا کر دینے کے بجائے

دست بدست ایک سے دُوسرے تک پہنچائی جاتی ہے۔

توس دینے کے لیے بریڈ باسکٹ ہوتی ہے اور وہ ایک سے دُوسرے کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے چٹنیاں، اچار اور جیلیاں وغیرہ ایک سے دُوسرے تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ سب کو کھانا تقسیم کرنے کے بعد برابر میاں اور بیوی باری باری ایک ایک سے دریافت کرتے ہیں کہ اور کچھ لینا ہے اور ایک کے بعد ایک پلیٹ بڑھائی اور جگہ پر واپس رکھی جاتی ہے۔

کورس بدلنے کے لیے میزبان بیگم خاموشی سے اُٹھ کر پلیٹیں اٹھا کر ان کی جگہ رکھ دیتی ہیں۔ ان کی مدد کے لیے کوئی دوسری مہمان خاتون بھی اُٹھ سکتی ہیں۔

وہ ڈنر جس میں کورس بدلنے کے لیے بیرا نہیں موجود ہوتا ان میں میزبان خاتون کے لیے ضروری نہیں کہ وہ انہی قواعد و ضوابط کو مدنظر رکھیں جو بیرے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ وہ بیک وقت کئی پلیٹیں اُوپر تلے رکھ کر بھی لے جا سکتی ہیں۔

کھانے کے بعد کافی دی جاتی ہے۔ یہ اپنی خوشی پر منحصر ہے کہ کافی نشست گاہ میں پلائی جائے یا کھانے کے کمرے میں۔

یہ میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی محفل میں کوئی بور نہ ہوئی اور خود کو اجنبی اور تنہا محسوس نہ کرے وہ اپنے مہمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مصروف رکھتی ہے اور عام دلچسپی کو قائم رکھتی ہے۔ یہ میزبان کی شخصیت پر منحصر ہے کہ اس کی محفل کی دلچسپی اور دلکشی کا تاثر دیر تک مہمانوں کے ذہن میں رہے۔

صاحب خانہ کے ذمّہ جو میزبانی کے فرائض ہیں۔ ان کی گنتی گھر والی بیگم کے فرائض سے کم ہوتی ہے لیکن پھر بھی گھر والے کو اپنے فرائض کی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے اور خاص کر بغیر ملازم والے گھر میں کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ عام طور پر مرد اپنے ذمّے مشروبات کا انتظام لے لیتا ہے۔ گوشت کاٹ کاٹ کر تقسیم کرنا بھی صاحب خانہ کا فرض ہوتا ہے۔ گوشت کی پلیٹیں دائیں ہاتھ والی خاتون سے تقسیم کرنا شروع کرتے ہیں۔

رخصت کرتے وقت لوگوں کے کوٹ وغیرہ اٹھانے میں مدد دینا لوگوں کو دروازے تک رخصت کرنے جانا بھی شوہر ہی کے ذمّے ہوتا ہے۔

مہمانوں کے فرائض

مرد مہمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ باورچی خانے اور کھانے کے کمرے میں گھس گھس کر میزبان بیگم کا ہاتھ بٹائیں۔ البتہ مہمان خواتین گھر والی کا بڑی حد تک ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ اگر مہمان گھر والی سے عُمر میں بڑی ہیں یا آپس میں بہت زیادہ بے تکلفی نہیں تو صرف پُوچھ لینا ہی کافی ہے کہ "کوئی کام ہمیں بھی بتائیے" لیکن ہم اس مہمان یا بہت عزیز سہیلیاں گھر والی کا واقعی ہاتھ بٹا سکتی ہیں اور شروع سے آخر تک اس کی مدد کر سکتی ہیں مثلاً گلاسوں میں پانی انڈیلنا، شمعیں روشن کرنا، میز صاف کرنا یا کورس بدلنے میں مدد دینا غرض کہ دس کام ہوتے ہیں جن میں بڑی خاموشی سے گھر والی کی مدد کی جا سکتی ہے۔

رخصت جانے کا معاملہ خاصا قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ نہ تو اتنی عجلت ہو کہ معلوم ہو کہ بس کھانا کھانے ہی آئے تھے اور نہ اتنی دیر بیٹھیں کہ میزبان زبانِ حال سے پکار اٹھے کہ "نان بخوردی خانہ برو!"۔ رخصت ہوتے وقت اچھے الفاظ میں شکریہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پوری محفل کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر سلام کرنے کی ضرورت نہیں جو لوگ متوجہ ہوں،

ان کو اشارے سے سلام کیجئے اور میزبان سے اجازت لے کر رخصت ہو جائیے۔

جن گھروں میں ملازم اور بیرے وغیرہ ہوتے ہیں وہاں کی ڈنر پارٹیوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اکثر گھر والوں کے بجائے خادم کال بیل کے جواب میں دروازہ کھولتا اور مہمان کو اندر لاتا ہے حالانکہ بہتر یہی ہوتا ہے کہ گھر والے خود استقبال کریں۔ مشروبات کے لانے اور برف وغیرہ مہیا رکھنے کی ذمہ داری خادم پر ہوتی ہے۔ کھانے کے لیے بجائے گھر والی کے گھنٹی کے ذریعے اطلاع دی جاتی ہے جس گھر میں خادم ہوتے ہیں وہاں میز کے نیچے ایک گھنٹی گھر والی کی نشست کے قریب لگی ہوتی ہے بجائے ملازم کو آواز دینے کے اس گھنٹی کے ذریعہ متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

جس گھر میں ملازم موجود ہوتے ہیں اس میں یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ مہمان خواتین اپنی خدمات پیش کریں۔

بوفے

کرسیوں کی قلت یا جگہ کی تنگی یا ملازموں کی کمی کے باعث اکثر بوفے ڈنر دیا جاتا ہے۔ اس میں کھڑے ہو کر کھاتے ہیں۔ اس کا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں بھی کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر اس سلسلے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ بے تکلف قسم کا اجتماع ہوتا ہے اور اس میں وقت کی اتنی شدید پابندی ضروری نہیں آدھ گھنٹے تک کی تاخیر گوارا کی جا سکتی ہے۔ دوسرے جس کا جی چاہتا ہے وہ بیٹھ کر بھی کھا سکتا ہے۔ اس میں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ایک طرف دو چار کرسیاں ڈالی جا سکتی ہیں۔

دفتری اور کاروباری مُعاملات

عام زندگی اور کاروبار میں فرق ہوتا ہے ۔ اخلاق اور شائستگی زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہوتی ہے لیکن کاروباری آداب میں تھوڑا سا رکھ رکھاؤ از حد ضروری ہوتا ہے ۔

کاروبار میں کامیابی اور نیک نامی کے لیے سب سے زیادہ جو چیز ضروری ہے وہ ساکھ ہوتی ہے یعنی کسی شخص یا اس کے کاروبار کا نام عزت سے لیا جانا ۔ ساکھ صرف باہر ہی نہیں بنائی جاتی بلکہ متعلقہ عملے اور ملازمین کی نظر میں بھی وقار قائم ہونا چاہیے ۔ کسی نیک نام شخص کی ساکھ کا یہ مطلب ہے کہ لوگ اس کا نام سُن کر ہی اس کے کام یا اس کی بات پر بھروسہ کریں ۔

کاروبار میں وقار اور سنجیدگی قائم رکھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ انسان بے حد اخلاق سے معاملت کرے اور اپنے ماتحتوں سے بڑی حیلاحت سے پیش آئے ۔

ماتحتوں میں سب سے زیادہ سابقہ سکریٹری یا پرسنل اسسٹنٹ سے پڑتا ہے ۔ اپنے پرسنل اسسٹنٹ یا سکرٹری سے نہ تو بالکل بے تکلفی ہی مناسب ہوتی ہے اور نہ اس کو دفتری مشین کا بے جان پُرزہ سمجھ لینا چاہیے ۔ مہربانی، حلم اور وقار سے پیش آنا بہت ضروری ہوتا ہے ۔ جن دفتروں میں سکرٹری کا کام لڑکیاں کرتی

ہیں، ان لڑکیوں سے پیش آنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔

مثلاً روزمرہ کی زندگی میں جب کوئی خاتون آپ کے کمرے میں داخل ہوتی ہے تو آپ اُس کی پیشوائی کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب آپ کی سکرٹری آتی ہے تو آپ اس کی پیشوائی کے لیے نہیں اُٹھتے البتہ اس کے سلام کا جواب اخلاق سے دیتے ہیں۔ سکرٹری کو چاہیے کہ اشارہ پاتے ہی وہ کرسی لے کر اپنے بوس (افسر) کی طرف متوجہ ہو جائے۔ بوس جو بھی احکامات دیتا ہے نرم مستحکم اور صاف لہجے میں دیتا ہے۔ سکرٹری سے کبھی کبھار موسم، گرد و پیش یا اُس کے حالات کے متعلق گفتگو کر لینا اچھا ہوتا ہے لیکن اسی حد تک کہ وہ بہت زیادہ بے تکلف اور باتونی نہ ہو جائے۔ ورنہ لحاظ کم ہوتا جائے گا اور یقیناً کام کی طرف سے بھی لاپروائی اور ڈھیل ہوتی جائے گی۔

سکرٹری اور بوس دونوں ہی کی طرف سے یہ احتیاط ضروری ہوتی ہے کہ ان دونوں کا ربط ضبط اس حد تک نہ بڑھے کہ لوگوں کی نظروں میں مشکوک ہو جائے۔ جن دفتروں میں مرد اور لڑکیاں دونوں ہی ملازم ہوں ان دفتر میں لڑکیوں سے ترجیحی سلوک رکھنا اور مردوں کو فضول ہی میں نظر انداز کرنا غلطی ہے۔ جب دونوں ایک ہی سطح پر کام کرتے ہیں اور ایک ہی سی تنخواہ لیتے ہیں تو پھر سلوک بھی ایک ہی سا ہونا چاہیے۔

ساتھ ہی یہ بھی احتیاط رکھتے ہیں کہ لڑکیوں کے درمیان بھی ایک سا سلوک رہے۔

اکثر اوقات کام کی زیادتی کی بناء پر سکرٹری کو بوس کے ساتھ رکنا پڑتا

ہے۔ اس لیے بوس پہلے سے اس کو مطلع کر دیتا ہے لیکن بلاوجہ ہر روز اس کا پروگرام گڑبڑ کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

دفتر کے اصول اور قاعدوں میں اتنی زیادہ سختیاں اور پابندیاں عائد کرنا کہ ماتحت اس کو قبول نہ کر سکیں یا چھپکے چھپکے نافرمانی پر آمادہ ہو جائیں مناسب نہیں۔ ایک سمجھدار شخص ہمیشہ اپنے قاعدے اور قانون میں لچک کی گنجائش رکھتا ہے۔

ایک حاکم کی اپنے ماتحتوں پر گرفت مضبوط ضرور ہونی چاہیئے لیکن سنگین نہ ہونی چاہیئے۔ ماتحتوں کا سب سے بڑا علاج ایک حد تک چشم پوشی ضرور ہے لیکن کسی کو اپنی حدود سے بڑھتے دیکھ کر پہلے ہی قدم پر مناسب طور پر ٹوک دینا ضروری ہوتا ہے۔

ماتحتوں پر ناک بھوں چڑھانا، بات بات پر باز پرس کرنا اور بحث میں اُلجھنا آداب کے سراسر خلاف ہے۔ تحریری تنبیہہ اور نوٹس زیادہ پسندیدہ طریقہ ہے۔

ماتحتوں کا رویّہ

ماتحتوں کو افسروں اور حاکموں سے ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے اور گفتگو کرنے کا شوق نہ ہو تو بہتر ہے۔ افسر کا سامنا ہونے پر اس کو سلام ضرور کرتے ہیں لیکن مزاج پرسی یا موسم کے بارے میں گفتگو کا آغاز افسر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر افسر خاموش رہے تو پھر ماتحت کو بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوقاتِ کار میں دفتر میں موجود رہنا ماتحتوں کا فرض ہے۔ ناوقت آنے یا کام کے وقت دفتر کی کینٹین میں پہنچ جانے اور ادھر ادھر وقت ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ماتحت کو

اپنی عزت کا خود خیال نہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا افسر اس کو کن الفاظ میں اور کس طرح تنبیہہ کرے گا۔

دفتر میں بیٹھ کر اہل کاروں کا گپ شپ کرنا، اس حد تک کھانا پینا اور گھومنا کہ کام میں حرج ہو سخت نامناسب بات سمجھی جاتی ہے۔ اہل کاروں کا آپس میں تپاک اور دوستی، مالک اور افسر کے لیے بھی اچھی ہے اور خود ان کے حق میں بھی بہتر ہے۔ لیکن اس درجہ بے تکلفی جو آخر میں تو تو میں میں کی صورت اختیار کرے بیہودگی میں شامل ہوتی ہے۔ ایک ساتھ کام کرنے والوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ

(۱) آپس میں اتحاد و یک جہتی سے رہتے ہیں۔

(۲) ایک کی بات دوسرے سے کہنے سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔

(۳) ذاتیات پر گفتگو سے گریز کرتے ہیں۔

(۴) کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے مقروض نہ ہوں۔

(۵) دل آزاری کی حد تک مذاق اڑانے سے گریز کرتے ہیں۔

(۶) کسی کی تنزلی یا کسی سے حاکم کی ناراضگی پر خوش ہونے کے بجائے سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

(۷) بجائے اس کے کہ اس کوشش میں رہیں کہ ہماری بے جا خوشامد ہمیں مالک یا افسر کی نظر میں چڑھا دے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنے ساتھیوں کی نظروں میں عزیز اور معزز رہیں۔

(۸) اپنی حیثیت اور مرتبے سے ہٹ کر بڑے افسروں اور مالکوں کے حلقے میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس طرح مور کے پر لگا کر کوا

مور نہیں بن جاتا، اُلٹا کووں کی برادری سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

(۹) لڑکیوں سے عزت اور صاف قلبی سے پیش آتے ہیں اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ ہمارے گھرانوں کی لڑکیاں کسی خاص ضرورت ہی سے کام کرنے نکلتی ہیں۔ ان کو گھر میں رہنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے مقابلے میں کم تر اور بدکردار سمجھنا بہت ہی چھوٹی حرکت ہے۔ جس طرح سے ہم کام کرنے کے باوجود بے عزت نہیں ہیں۔ اسی طرح ہماری ساتھی لڑکیاں بھی کام کرنے کے باوجود معزز ہیں، بلکہ اور بھی احترام کی مستحق کیونکہ وہ محنت سے گریز نہیں کرتیں۔

(۱۰) لڑکیوں کی موجودگی میں لچر باتیں اور بیہودہ قسم کے مذاق نہیں کرتے۔

ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اپنے ساتھ کام کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ بلا وجہ کی رعایتیں بھی کرنا ضروری نہیں ہوتیں۔ اگر کنٹین میں ایک شخص کی میز پر اس کے ساتھ کام کرنے والی لڑکی بھی کھانا کھا رہی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بلا وجہ ہی اپنی جیب کاٹ کر اس کے کھانے کا بل ادا کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی وہ اس کو مدعو کرے۔ ساتھی لڑکیوں کے ساتھ بالکل برابر والوں کا سا سلوک بہتر ہوتا ہے البتہ عورت ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ شائستگی اور نرمی برتی جاتی ہے۔

لڑکیوں کو بھی بلا وجہ ہی حساس اور نازک مزاج نہ بننا چاہیے۔ نہ ان کو ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہیے کہ ساتھی مردان کے اشارۂ ابرو پر سربسجدہ رہیں گے اور ان کے ذمے کے سخت کام بھی اپنے سر لے لیں گے۔ جو لڑکیاں باہر نکل کر کام کرنے کی ہمت کرتی ہیں وہ پھر پوری خود اعتمادی سے کام لیتی ہیں۔ وہ اپنے ذہن سے یہ احساس بھی نکال دیتی ہیں کہ مرد جو بھی بات کہتے ہیں وہ محض ان کو سنانے اور چھیڑنے کی خاطر

کھلتے ہیں۔

وہ نہ ماش کے آٹے کی بنی ہوئی گڑیا کی طرح اکڑتی ہیں اور نہ موم کی پتلی کی طرح پگھلتی ہیں۔

اگر کوئی لڑکی مردوں کے ساتھ شرافت سے رہتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہر وقت تیوریاں چڑھائے اور بد دماغ صورت بنائے ہوئے کرخت طریقے سے بات کرے۔

ہنسنا، مسکرانا اور شگفتگی قدرت کے وہ تحفے ہیں جو وہ ہر انسان کو بڑی فراخ دلی سے دیتی ہے اور اُن کو استعمال کرنا ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ کام کرنے والی لڑکیاں بھی ہر ایک سے کھلے دل اور خوش مزاجی سے بات کرتی ہیں لیکن بے حد بے تکلفی روا نہیں رکھتیں۔ تھوڑا سا رکھ رکھاؤ ہمیشہ قائم رکھتی ہیں۔

مُلاقاتی اور ذاتی قسم کے فون

کوئی افسر اور مالک یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ماتحتوں کے مُلاقاتی اگر دفتری نظام میں خلل انداز ہوں، اسی طرح دفتر کا ٹیلیفون کلرکوں اور ماتحتوں کے ذاتی فون آنے سے کسی وقت فرصت ہی نہ پائے۔

ماتحت اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں لیکن اسی صورت میں جب افسر کے کمرے میں اس کے ملاقاتیوں کا مجمع نہ رہتا ہو اور اس کا فون اس کے ذاتی قسم کے ٹیلیفونوں کے لیے وقف نہ ہو گیا ہو۔

اگر ایک افسر دفتر کے فون پر امپلائمنٹ ایکسچینج والوں سے بیس بیس منٹ تک یہ بات کرے گا کہ "بھئی ہمیں ایک آیا تو دلواؤ۔" یا "ایک خانساماں بھجوا دینا"

ہماری بیگم کا تو کھانا پکا پکا کر سونت موڈ آف ہے۔" تو ماتحت بھی موقع لگتے ہی فون کو ایسے ہی کاموں کے لیے ضرور استعمال کریں گے۔"

دفتروں میں آنے والے ٹیلیفونوں کا جواب

دفتروں میں فون کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ مصروف اور کاروباری لوگوں سے خطاب ہوتا ہے اس لیے بات مختصر کریں اور جس وقت فون کریں تو اپنا نام یا اس ادارے کا نام ضرور لیں جس کی طرف سے بول رہے ہیں۔ ایک دفتر میں مختلف برانچیں اور شعبے ہوتے ہیں۔ بات کرنے والے کو جس شعبے میں جس شخص سے بات کرنی ہوتی ہے۔ وہ ٹیلیفون آپریٹر سے کہتا ہے:

"میں یونیورسٹی انکوائری سے بات کر رہا ہوں، مہربانی سے سکنڈری بورڈ کی فنانس برانچ سے ملا دیجئے۔"

جس وقت فون مطلوبہ نمبر سے ملا دیا جاتا ہے تو دریافت کرتے ہیں۔ "میں یونیورسٹی انکوائری سے بول رہا ہوں کیا فنانس سکرٹری صاحب فون پر مل سکتے ہیں؟"

جس وقت میز پر افسر موجود نہ ہو یا شدید مصروف ہو تو فون اٹھانے کا کام سکرٹری یا کوئی اور اسسٹنٹ وغیرہ کرتا ہے اور وہ جواباً کہتا ہے کہ "میں سکرٹری صاحب کا اسسٹنٹ ہوں۔ وہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔ آپ کو دوبارہ تکلیف کرنا پڑے گی۔ یا پھر حرج نہ ہو تو آپ پیغام لکھوا دیں۔ کیا میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

اپنی عُمر، قابلیت اور تجربے کے متعلق بلا جھجک اور صحیح جواب دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے ۔

جس شعبے اور محکمے کی ملازمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق انٹرویو سے قبل مناسب معلومات ضرور حاصل کر لیتے ہیں ۔

جس وقت انٹرویو ختم ہو جائے اور واپس جانے کا اشارہ ہو تو شکریہ ادا کر کے رخصت ہو جانا چاہیے ۔

جواب، سہولت اور سکون سے دینے چاہئیں۔ جس وقت یہ احساس ہو کہ کسی ممبر کی خواہش ہے کہ کسی چیز کا تفصیلی جواب دیا جائے ۔ اس وقت تفصیل سے ہرگز گریز نہ کیا جائے ۔

تحائف

تحائف کا لین دین آپس کی مہر و محبت میں استواری کا باعث ہوتا ہے تحفہ خواہ کتنا ہی چھوٹا اور معمولی کیوں نہ ہو یہ دینے والے کی محبت اور خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ جس خلوص سے تحفہ دیا جاتا ہے اسی خلوص سے قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس طرح یہ دو انسانوں کو ایک دوسرے سے قریب لاتا ہے۔

تحفہ دینے کے خیال کے ساتھ ہی تحفہ دینے والے کو چند باتیں سوچنی ہوتی ہیں:

(۱) یہ تحفہ کس کو دیا جا رہا ہے۔

(۲) اس کی عمر اور مذاق کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) اس شخص کے ساتھ تحفہ دینے والے کا کیا رشتہ ہے اور کس قسم کے تعلقات ہیں۔

تحفہ دیتے ہوئے سب سے بڑا جو اصول مدِ نظر رکھا جاتا ہے وہ ہمارے یہاں ایک مقولے کے طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ یعنی انسان تحفہ یا اپنی حیثیت کے مطابق دے یا تحفہ لینے والے کی حیثیت کے مطابق دے۔

عام طور پر تحفہ دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اس شخص کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے اور کون سی چیز اس کے لیے کار آمد ثابت ہو سکتی

ہے۔

نوعمر لڑکے، لڑکیوں کو عام طور پر کتابیں تحفے میں دی جاتی ہیں۔ قریبی عزیز بچوں سے مشورہ بھی کر لیتے ہیں کہ بھئی تم کو کس چیز کی ضرورت ہے اور تمہاری سالگرہ کے موقعے پر یا پاس ہونے پر تم کو کیا چیز دیں۔

تحفے میں کتابیں دیتے وقت بھی پڑھنے والے کی عمر اور استعداد کے علاوہ اس کے ذوق کا خاص خیال رکھتے ہیں مثلاً لڑکیاں شدید قسم کی مہماتی کتابوں اور جنگی قسم کے ناولوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتیں۔ اس کے مقابلے میں لڑکوں کا ذوق اس قسم کا ہوتا ہے کہ ان کو جدوجہد اور کاوش سے محبت ہوتی ہے اور اسی قسم کی داستانیں ان کو پسند آتی ہیں۔

ایک ایسی لڑکی جو امور خانہ داری میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے، کسی شاعر کے کلام یا فنکار کی زندگی اور فن سے متعلق کتاب لے کر خوش نہیں ہوگی۔ اس کے بجائے اس کو گھرہستی اور باورچی خانے سے متعلق کتابیں زیادہ دلچسپ معلوم ہوں گی۔ اسی طرح مصوری کا ذوق رکھنے والی لڑکی کشیدہ کاری یا بنائی کی کتاب لے کر خوش نہیں ہوتی۔

کھلونوں کے تحفے دیتے وقت بھی بچے کی عمر، جنس اور مذاق کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

بزرگوں کو تحفہ دینا

عام طور پر لوگ اپنے بزرگوں کو وقتاً فوقتاً محبت بھرے تحفے دے کر یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ ان کے چھوٹوں کے دل میں ان کا خیال اور محبت اسی طرح تازہ ہے

جیسے پہلے تھی۔ ان کے نیچے اور نوعمر عزیز ان کے وجود کو فراموش نہیں کرتے بلکہ اہم سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کی طرف سے بزرگوں کی خدمت میں بہترین تحفہ سویٹر اور مفلر خیال کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ان کی ضروریات کی چیزوں کا خاموش خیال رکھتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ وہ جس چیز کی اشد ضرورت محسوس کر رہے ہیں وہ چپکے سے تحفے کے طور پر لا کر دے دیتی ہیں۔

بزرگوں کو تحفے دینے کی عادت بچوں میں والدین شروع ہی سے پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً جس بچی نے نئی نئی سلائی شروع کی ہوتی ہے۔ اس کی والدہ اس کو احساس دلاتی ہیں "دیکھو بیٹے تمھارے دادا ابا کے رومال پھٹ گئے ہیں تم کو سینا آگیا ہے اب ان کو رومال بنا کر دو۔" یا پھر "اس دن ہم تمھاری نانی اماں کے یہاں گئے تھے تو ان کی ٹکوزی پر غلاف نہیں تھا۔ اگر تم ایک غلاف تیار کر کے ان کو دو گی تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔"

اسی طرح بچوں کو جیب خرچ دیتے وقت لڑکوں سے اکثر پوچھا جاتا ہے تم اپنے نانا ابا کو کیا چیز لے کر دو گے اور پھر بچے کو کوئی کم خرچ کارآمد چیز خرید کر دی جاتی ہے کہ یہ دے دو۔

طالب علم لڑکوں کی طرف سے بزرگوں کی خدمت میں بہترین تحفہ کتابیں ہو سکتی ہیں۔ بزرگ عموماً تاریخی کتابوں، سفرناموں، سوانح عمریوں اور مذہبی کتابوں ہی سے خوش ہوتے ہیں۔

آپ اپنے دادا یا نانا یا کسی اور دوسرے بزرگ رشتے دار کے کمرے میں سالِ نو کے موقعے پر ایک اچھا سا کلنڈر ٹانگ کر یا سالِ رواں کی جنتری اور

ڈائری پیش کر کے بھی ان کی مخلص دعائیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن کیلنڈر پیش کرتے وقت اس کی تصویروں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ عام طور پر مذہبی قسم کے بزرگ کیلنڈر پر کسی عمارت یا منظر کی تصویر کے علاوہ کوئی تصویر دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

بزرگ رشتے دار بیگمات کو تسبیح، عطر، جانماز اور ان کی ضروریات سے متعلق دوسری چیزیں تحفتاً دی جاتی ہیں۔ دراصل کامیاب تحفے وہی ہوتے ہیں، جس میں ظاہرداری اور کسی کو احسان مند کرنے کے جذبے سے زیادہ خلوص اور احتیاط شامل ہوتے ہیں۔ مثلاً کم نظر رکھنے والی بزرگ خاتون کو اگر خاص طور پر خیال کر کے آپ بڑے ناکے کی سوئیوں کا ایک پتّہ دے دیں تو وہ آپ کو بے شمار دُعائیں دیں گی۔

دوستوں اور ہمسنوں کے تحفے

دوستوں اور ہمسنوں کو تحفے دینا بہت آسان ہوتا ہے۔ ہم ان کے مذاق اور ضرورتوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً چھوٹے موٹے تحفوں کے تبادلوں سے آپس کی محبت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس بارے میں ایک دوسرے سے مشورہ بھی لے لیتے ہیں کہ بھئی تم کو کیا تحفہ دیں۔

شادی بیاہ کے تحفے

شادی کے سلسلے میں تحفے دیتے وقت رشتے کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ بزرگ اگر آپس میں قریبی رشتہ ہوتا ہے تو مشورہ کر لیتے ہیں کہ کون کیا چیز دے گا۔ سب قریبی رشتے دار ایک ہی سی حیثیت کے نہیں ہوتے اور یہاں پر مقابلے کی صورت

پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن ایسے موقع پر یہ کرتے ہیں کہ خاندان کے ذی حیثیت ممبر خود ہی کوئی کم قیمت اور معمولی سی چیز تجویز کر کے کم حیثیت بھائی بہن یا دوسرے قریبی عزیز کو مشورہ دیتے ہیں کہ تم یہ دے دینا۔ اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کم حیثیت رشتے دار تحفہ دیتے وقت زیر بار بھی نہیں ہوتا اور خاندان والوں کے آگے شرمسار بھی نہیں ہوتا۔ ایسے موقعوں پر یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ تحفہ دینے والے خاموشی سے تحفہ دیتے ہیں اور قبول کرنے والے خاموشی سے لے کر ایک مناسب جگہ پر ان کو سجا دیتے ہیں لیکن نام لے لے کر چرچا نہیں کرتے تاکہ نہ دینے والے شرمندہ نہ ہوں۔

اپنی حیثیت اور تعلقات سے بڑھ چڑھ کر تحفہ دینا بدتمیزی اور چھچھورے پن کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

جہیز اور بری

دُلہن کی طرف سے دیا ہوا جہیز اور دُولھا کی طرف سے چڑھائی ہوئی بری بھی ایک طرح سے ایسے تحفے ہیں جو طرفین کی طرف سے ایک دُوسرے کو دیئے جاتے ہیں ان تحفوں میں بھی غیر ضروری تکلفات اور اپنی حیثیتوں سے بڑھ چڑھ کر دکھاوا اور خود کو زیر بار کر کے جھوٹی نمائش ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔

غیر ملکیوں کو تحفے دینا

غیر ملکیوں کو تحفہ دینا بھی ایک فن ہے۔ اس میں تحفہ لینے والے کے مزاج، رتبے اور مذاق کا خیال رکھنے کے علاوہ یہ خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ تحفہ ہمیشہ کے لیے ایک یادگار بن سکے۔ چنانچہ غیر ملکیوں کو اپنے ملک کی اعلیٰ اور نفیس قسم کی مصنوعات

دی جاتی ہیں اور ان کے انتخاب کے وقت خیال رکھتے ہیں کہ اس شخص کے لیے کس نوعیت کی چیز مناسب ہو گی۔

ملازمین کے تحفے

تحفے صرف عزیزوں، دوستوں اور معزز لوگوں ہی کو نہیں دیئے جاتے بلکہ وقتاً فوقتاً اپنے ملازمین اور گھر میں آنے جانے والے پرجاؤں (دھوبی، بھنگی، دودھ والا وغیرہ) کو بھی چھوٹے موٹے تحفے دینے پڑتے ہیں۔ ان تحفوں میں ہر چیز سے زیادہ اس شخص کی ضرورت کا خیال رکھا جاتا ہے مثلاً آپ کا باورچی بے حد خستہ اور بوسیدہ جوتا پہنے ہے تو اس کے لیے ایک جوڑا جوتے سے زیادہ بہتر تحفہ کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بھنگی کا پھٹا ہوا کوٹ دیکھنے کے بعد اس کے لیے کسی دوسرے تحفے کا خیال لایعنی ہے۔ موسم سرما کے سرد اور کاٹتے ہوئے پانی میں کپڑے دھونے سے دھوبی کے ہاتھ بری طرح پھٹ رہے ہیں تو اس کے لیے کسی کریم یا گلیسرین سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

ملازمین کے چھوٹے بچوں کو گھر کی لڑکیوں کی طرف سے بنے ہوئے سوئٹر موزے اور سلے ہوئے کپڑے دلوائے جاتے ہیں یا اپنے بچوں کے پچھلے سال کے کپڑے ان میں بانٹ دیئے جاتے ہیں۔

پھولوں کا تحفہ

پھولوں کا تحفہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر عمر اور ہر قسم کے لوگوں کو دیا جا سکتا ہے۔ یہ تحفہ خصوصیت سے بیماروں بزرگوں اور محبت کرنے والوں کی نظر میں بے حد قیمتی اور عزیز ہوتا ہے۔

ایک ہی گھر کے مختلف افراد کے لیے بھی ایک دوسرے کا خیال رکھنا لازمی

بات ہے۔ چنانچہ جس طرح والدین بچوں کو لیتے دیتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بچے بھی تاک میں رہتے ہیں کہ اگر ابا جان کا پیڈ ختم ہو گیا ہے تو ان کے لانے سے پہلے ہم چپکے سے لا کر رکھ دیں۔ اگر کسی بنا پر امی پرانی ہی چپل پہنے چلی جا رہی ہیں تو بچے آپس میں پیسے ملا کر ان کے لیے نئی چپل لا کر رکھ دیں گے۔ اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر میاں کے شیو کا سامان پرانا ہو گیا ہے تو بیوی چپکے سے بدل کر شوہر کو بے خبری میں خوش کر دیتی ہے اور شوہروں کی طرف سے تو بیویوں کو تحفے آئے دن ملا ہی کرتے ہیں۔

تحفے لینا اگر تحفہ دینا فن ہے تو تحفہ قبول کرنا اس سے بھی بڑا فن ہے تحفے میں جو چیز پیش کی جاتی ہے وہ بڑھیا ہو یا گھٹیا، ہمیں اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خیر سگالی، الفت اور اُنسیت کے جذبے کے ماتحت دیا گیا ہے۔ جس شخص نے یہ تحفہ دیا ہے اس کے دل میں ہمارا خیال بھی موجود ہو گا۔ چنانچہ تحفہ کیسا ہی ہو لینے والا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اسے اس انداز سے قبول کرے کہ دینے والا مطمئن ہو جائے اور وہ یہ سوچ سوچ کر پشیمان نہ ہوتا رہے کہ مرغی اپنی جان سے بھی گئی اور کھانے والے کو سواد بھی نہ آیا۔ ہم مشرقی تحفہ لے کر دینے والے کو محض رسمی شکریے پر ٹرخا کر مطمئن نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے تبسم سے اپنی شکر گزار نگاہوں سے اور خاموش جذبہ تشکر سے اس شخص کو پوری طرح مطمئن کر دیتے ہیں جو بڑے مان سے ہمارے لیے ہدیہ محبت لاتا ہے۔

غیر ملکیوں کے تحفے کا جواب ۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہم ہر تحفے

کا فوراً اتار نہیں کرتے ہیں بلکہ موقع اور وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن غیر ملکیوں کے تحفے کے جواب میں اگلی ہی ملاقات میں تحفہ دینا ضروری ہوتا ہے اور اس کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس نے ہمیں کس قیمت اور حیثیت کا تحفہ دیا ہے اسی انداز سے اُس کا اتار کرتے ہیں۔

شکریہ اور معذرت

شکریہ اور معذرت اگرچہ رسمی اور ظاہری چیزیں ہیں لیکن یہ بہت ضروری ہوتے ہیں۔

معذرت کرنا آسان ہے اور شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔

مغربی تو شکریے کا لفظ ہر کس و ناکس کے لیے یکساں طور پر استعمال کر کے اس فرض سے ادا ہو جاتے ہیں۔

لیکن ہمارے یہاں کہ حفظ مراتب اور سن و سال کا خاص خیال رکھا جاتا ہے شکریہ ادا کرنا آدابِ زندگی کا ایک مشکل اور اہم ترین پہلو بن گیا ہے۔ ہم اپنے چھوٹوں کا شکریہ کسی اور انداز سے کرتے ہیں اور بزرگوں کا کسی اور انداز سے۔ اسی طرح مراتب کی کمی بیشی کے لحاظ سے شکریئے کا انداز بدلتا جاتا ہے۔ غیروں اور کاروباری قسم کے تعلقات والوں کا شکریہ اور طرح ادا کرنا پڑتا ہے، عزیزوں اور دوستوں سے کچھ اور ہی انداز ہوتا ہے۔

چھوٹوں کا شکریہ

ہمارے بڑے بوڑھے اپنے چھوٹوں کے حُسنِ سلوک اور خدمات کا شکریہ اپنی دُعاؤں اور پیار بھرے کلمات سے ادا کرتے ہیں۔ مرد عموماً جزاک اللہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور خواتین "جیو! خوش رہو، نیک نصیب" کے الفاظ استعمال کرتی ہیں۔

بزرگوں کا شکریہ

اپنے بزرگ رشتے داروں اور استادوں کی شفقت یا مہربانی کا شکریہ لچھے دار فقروں اور جملوں میں ادا کرنے کے بجائے احساسِ تشکر سے ان کے آگے سر جھکا دینا یا کم سے کم مختصر الفاظ میں ان کی عنایت اور شفقت کا شکریہ ادا کرنا ہی اصل شکریہ سمجھا جاتا ہے۔

ناواقف یا دور آشنا بزرگ کی مہربانی کا اعتراف بے شک الفاظ کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن حلیمی اور سادہ الفاظ میں شکریہ زیادہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

کاروباری تعلقات میں اور اجنبیوں کے ساتھ شکریہ وضاحت سے ادا کرتے ہیں لیکن تکرار کے باعث ہمارے یہاں فقط لفظ "مہربانی" یا "شکریہ" بذاتِ خود بے معنی اور بے اثر ہو چکے ہیں۔

ملازمین اور اپنے سے کمتر لوگوں کا شکریہ

ملازمین اور مزدور پیشہ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مختصر طور پر ان سے کہہ سکتے ہیں "بھئی بہت بہت شکریہ" یا پھر تحسین آمیز جملوں سے ان کے کام کا اعتراف کرتے ہیں۔

برابر والوں اور دوستوں کا شکریہ

دوستوں اور ہم عمروں کے شکریے کا ہمارے یہاں عجب حساب کتاب ہے۔ اوّل تو دوستوں کا حساب دل ہی میں رہتا ہے اور اگر شکریہ ادا بھی کرتے ہیں تو اس میں مزاح کا عنصر شامل کر کے ہم لوگ اگر اپنے کسی دوست کا شکریہ رسمی انداز میں ادا کرتے ہیں تو وہ اُلٹا بُرا مان جاتا ہے کہ تو ہمیں غیر سمجھا۔ چنانچہ

ضروری ہوتا ہے کہ دوستوں کا شکریہ شگفتہ انداز کے کلمات سے ادا کیا جائے۔
مثلاً بر وقت مدد کرنے والے دوست سے ہنس کر کوئی حسب حال شعر یا محاورہ بول دیتے ہیں یا پھر اس میں تھوڑا ردّو بدل کر کے کچھ کہہ دیتے ہیں۔

شکریے کا ایک یہ بھی انداز ہے کہ احسان کرنے والے سے ہنس کر پوچھتے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا شکریہ ادا کیا جائے؟

اور زیادہ بے تکلفی ہو تو پھر تو یہ عام جملہ ہے:

"بھئی! اب اگر تم چاہو کہ میں تمھارا شکریہ بھی ادا کردوں تو یہ ناممکن ہے"

یا پھر یہ کہ "کہو تو تھینک یو کہدیں؟"

غرض یہ کہ ہمارے یہاں بے تکلف دوستوں کا قرینے سے شکریہ ادا کرنا ایک مضحکہ خیز حرکت سمجھی جاتی ہے اور جذبات تشکر کا اظہار کچھ اتنے پیارے اور بھولے بھالے انداز میں کیا جاتا ہے کہ اس سے غیریت اور اجنبیت کا نام و نشان بھی مٹ جائے۔

غیر ملکیوں کا شکریہ

رہا غیر ملکیوں کا شکریہ تو اس کے متعلق ہمارا یہ اصول ہے کہ خواہ آپ خود روم میں ہوں یا رومن آپ کے ملک میں براج رہے ہوں وہی کیجئے جو روم میں ہوتا ہے اور رومن چاہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ غیر ملکی کے اور آپ کے درمیان سے غیریت کے پردے قطعی طور پر اٹھ چکے ہیں اور وہ اپنی مرضی سے آپ کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ساتھ مذکورہ بالا شکریے کا انداز رکھا جا سکتا ہے۔

اجنبی اور دُور آشنا لڑکے لڑکیوں کا شکریہ

جن لڑکوں اور لڑکیوں کی آپس میں بالکل ہی سرسری واقفیت ہوتی ہے وہ عموماً رسمی طور پر شکریہ، مہربانی، یا آپ کو بڑی زحمت ہوئی جیسے لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ طریقہ ہی مناسب ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ جہاں شکریہ ادا کرنا ضروری ہے وہاں وقت اور موقع کے خیال کو رکھنا چاہیے لیکن طرز ادا کا لحاظ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔

شادی بیاہ

شادی بیاہ کی رسومات بھی ہماری معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور ان سب کی ادائیگی کے لیے روپے پیسے سے زیادہ تمیز اور سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ شادی بیاہ کے سلسلے اور رسوم کا مطلب بے طرح پیسے کا خرچ اور بے جا نمائش ہی ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ سمجھ دار اور شائستہ لوگ بے جا اسراف اور جھوٹے نام و نمود سے احتراز کرنے کے باوجود ان تمام مرحلوں کو بڑی دلکشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔

نسبت عام طور پر ان رسومات کا سلسلہ نسبت کسی رشتے کی تحریک سے شروع ہو جاتا ہے۔ قدامت پسند اور مذہبی امور سے ناواقف گھروں میں ایک زمانے میں طرفین اور خصوصاً لڑکی والوں کا خود بات کرنا معیوب بات سمجھی جاتی تھی اور ایسے گھروں میں یہ تمام کام دوسرے تیسرے لوگ سرانجام دیا کرتے تھے لیکن جن گھرانوں میں شادی ایک مقدس فریضہ سمجھی جاتی تھی وہاں اس وقت بھی براہِ راست بات چیت کو بہتر اور سہل ترین طریقہ سمجھا جاتا تھا اور لڑکے لڑکی کی مرضی کو بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

منگنی کسی رشتے اور نسبت کی پسندیدگی اور منظوری کے بعد پہلی منزل منگنی یعنی انگوٹھیوں کی تبدیلی کی ہوتی ہے۔ اس رسم کا اصل مقصد

اپنے پسندیدہ اور منتخب افراد کو پابند کرنا ہوتا ہے۔ منگنی کے وقت طرفین کی جانب سے لڑکے اور لڑکی کو انگوٹھی پہنانے جو لوگ جاتے ہیں ان کی خاطر مدارت خوب سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ منگنی کے وقت کی خاطر اور مدارات ہی سے لوگ شادی کے موقع پر ہونے والے کر و فر کا اندازہ لگاتے ہیں۔ چنانچہ سمجھ دار لوگ اس موقع پر طرفین کو کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے بجائے سنجیدگی اور تمیز داری سے خاطر مدارات کرتے ہیں اور اس طرح سے اپنے گھر آنے والوں کو شادی سے متعلق آیندہ اہتماموں کے متعلق صحیح اندازہ لگانے کا موقع دیتے ہیں۔

عام طور پر منگنی کے وقت لڑکی کے لیے انگوٹھی، رومال اور خوش رنگ چوڑیوں کے چند جوڑوں کے علاوہ ہار پھول لے جاتے ہیں اور کنبے میں تقسیم کرنے کے لیے حسب حیثیت رقم کے لڈو۔ منگنی کے لڈو موتی چور ہوتے ہیں۔ منگنی کا سامان تانبے کی قلعی دار سینیوں میں سجایا جاتا ہے۔ پہلے سرخ یا سبز کاغذ بچھاتے ہیں اور اس پر سامان سجاتے ہیں۔ اوپر سے خوبصورت خوان پوش ڈالے جاتے ہیں۔ منگنی کے موقع پر خوش وقتی کے طور پر کچھ رسمیں بھی ادا کی جاتی ہیں مثلاً پانوں کے سات بیڑے چاندی کے ورقوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اور سات ڈلیاں مصری کی۔ جس وقت لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کے لیے سسرال والوں کے سامنے لایا جاتا ہے تو پہلے سات سہاگنیں مصری کی ڈلیاں باری باری اس کے منہ میں دیتی ہیں۔ ڈلیاں صرف ہونٹوں تک چھوا کر چھوڑ دی جاتی ہیں اور لڑکی ان کو مٹھی میں دبا لیتی ہے۔ پھر اسی طرح سات بیڑے پانوں کے دیتے

ہیں۔ اس رسم کے وقت خیال رکھتے ہیں کہ پہلی ڈلی اور پہلا بیڑا سسرال کی سب سے عمر رسیدہ سہاگن کے ہاتھ سے دلوایا جائے۔ لڑکے کی بڑی بھاوج انگوٹھی پہناتی ہے اور بہنیں چوڑیاں پہناتی ہیں۔ انگوٹھی پہنانے کے بعد لڑکے والے لڑکی کو گلے لگا کر دُعا دیتے ہیں اور لڑکی والے موسم کے اعتبار سے مشروبات اور مٹھائی پھل پیش کرتے ہیں۔

تاریخ ٹھہرائی

ہمارے ملک میں شادی کی تقریب بڑی گہما گہمی اور تکلفات سے ادا کی جاتی ہے اور جزئیاتی قسم کی باتوں کو بھی تھوڑے بہت اہتمام سے ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب لڑکے والے لڑکی کے گھر تاریخ لینے جاتے ہیں تو کچھ مٹھائی اور پھل ساتھ لے کر جاتے ہیں اور واپسی میں ادھر سے بھی مٹھائی ساتھ کی جاتی ہے۔

شادی کی خاص رسوم شروع ہونے سے پہلے ہی مہر وغیرہ کی شرائط طے کر لیتے ہیں تاکہ عین نکاح کے وقت حجت یا تکرار سے بدمزگی پیدا نہ ہو۔ البتہ ایک بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ دونوں طرف سے جہیز یا چڑھاوے کے متعلق ایسی کوئی گفتگو نہیں کرتے جس سے یہ ظاہر ہو کہ لڑکے یا لڑکی سے زیادہ یہ لوگ جہیز (داج) اور چڑھاوے (بَری) کو اہمیت دے رہے ہیں۔ شائستہ گھروں میں لوگ ان چیزوں کو حقیقتاً ہیچ سمجھتے ہیں اور اصل چیز لڑکے لڑکی کی شرافت اور شخصیت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن والدین کی خواہش یہی ہوتی ہے اور دستور بھی یہی ہے کہ لڑکی اپنا گھر بسانے اور نئی زندگی شروع کرنے کے لیے بے سر و سامانی کی حالت میں نہ جائے۔ چنانچہ سمجھ دار اور مہذب والدین اپنی لڑکی کو رخصت کرتے

وقت اس کی ضروریات مناسب حد تک پوری کر دیتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ فضول نام و نمود اور لوگوں کی نگاہوں میں چکا چوند پیدا کرنے کے بجائے واقعی وہ چیزیں دی جائیں جو اس کے کام آسکیں اور اسی مناسبت سے گھر ہستی کی اشیاء کو لچکے گوٹے کے لاتعداد کپڑوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ قیمتی اور کام بنے ہوئے کپڑوں کی آب عرصے تک بکسوں میں پڑے رہنے سے جاتی رہتی ہے اور فیشن بھی بدلتے رہتے ہیں اسی لیے جہیز میں جوڑوں سے زیادہ استعمالی اشیاء پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ زیادہ سمجھ دار لوگ ہلکا پھلکا سامان دینے کے علاوہ جہیز کے لیے مخصوص کردہ رقم لڑکی کے نام بنک میں جمع کرا دیتے ہیں۔

ویسے لڑکی کا جہیز ایک ایسی چیز ہے جو اس کی ماں اور متعلقین کے سگھڑاپے اور سلیقہ کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ سنجیدہ و شائستہ گھرانوں میں لڑکی کے جہیز کو نمائش اور نمود کی چیز نہیں بنایا جاتا۔ وہ صرف لڑکی کی ضرورت کی اشیاء ہوتی ہیں اور ان کی تشہیر فضول نام و نمود کی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ اس کی بے ضرورت نمائش کم حیثیت لوگوں کے لیے مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ عام طور پر ایسا کیا جاتا ہے کہ جہیز کا سامان پہلے سے بند کر دیا جاتا ہے جو نکاح کے بعد دولھا والوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح چڑھاوے کا سامان بھی لڑکی والوں کو دے دیا جاتا ہے اور ایک ایک زیور اور کپڑا محفل میں گھما گھما کر دکھانا بُرا سمجھتے ہیں۔ عام طور پر لڑکی والے یہ سامان مجموعی طور پر اپنے مہمانوں کو دکھا دیتے ہیں۔

مایوں شادی کی خاص ابتداء اس رسم سے شروع ہوتی ہے۔ بظاہر

یہ ایک دلچسپ سا ہنگامہ ہوتا ہے لیکن لڑکی کے حق میں یہ رسم بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس رسم کی ادائیگی کے ساتھ شادی سے ہفتہ دس دن پہلے گھر کے کاموں اور ذمّہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں سے بھی الگ ہو جاتی ہے اور اس طرح ذہنی طور پر ان سے جُدائی کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ فرصت کے ان دنوں میں وہ اپنی جسمانی صحت و صفائی کی طرف پُوری توجہ دے سکتی ہے جس میں گھر والے اس کی خاطر خواہ مدد کرتے ہیں۔

اس رسم کی ادائیگی کا ہنگامہ خاصا دلچسپ ہوتا ہے۔ لڑکی کی بہنیں اور بھاوجیں زرد جوڑے پہنتی ہیں اور لڑکی کو رنگ برنگی ریشمی کپڑے کی جگہ معمولی اور زرد لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ چُوڑیاں اور ہر قسم کا زیور بھی اتار لیتے ہیں تاکہ جب وہ عروسی لباس اور زیور پہنے تو زیادہ سے زیادہ خوبصورت نظر آئے۔

ایک چوکی پر سُرخ کپڑا جس پر گوٹا لگا ہوتا ہے بچھاتے ہیں اور چاندی کے یا تانبے کے قلعی دار کٹورے میں ابٹن گھول کر رکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد لڑکی کو چوکی پر لا کر بیٹھایا جاتا ہے اور اس کا ہاتھ آگے کر لیا جاتا ہے۔ پہلے سات سُہاگنیں چاندی کے روپے سے ابٹن اس کی ہتھیلی پر رکھتی ہیں اور پھر باپ، چچا ماموں اور بھائی اسی طرح کرتے ہیں۔ ابٹن لگا چکنے کے بعد سُرخ کپڑے میں بندھی ہوئی سات پنڈیاں اس کی ماں یا نانی اس کی گود میں رکھ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ خدا کا شکر ہے۔ آج ہم تمھارے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ مایوں بٹھانے کی ساری ذمہ داری بہنوں پر ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی محنت کا

معاوضہ یعنی نیگ لڑکی کا باپ اور وہ نہ ہو تو ماموں یا چچا بہوؤں کو دیتے ہیں یہ رقم مقرر نہیں ہوتی صرف خوشی اور مان کی بات ہوتی ہے، جتنی بھی رقم مل جائے لڑکیاں خوشی خوشی لیتی ہیں اور ایک ایک پیسہ جھگڑ جھگڑ کر بڑھواتی ہیں۔ شادی کے بعد یہ رقم خاندان بھر کی بہنوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ خواہ چار چار آنے ہی حصے میں آئیں۔ ابٹن کی رسم کے بعد لڑکی کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کمرے کو اس کی سہیلیاں اور بہنیں دل لگا کر سجاتی ہیں زرد پردے ڈالے جاتے ہیں۔ پلنگ کی چادر، تکیے، غلاف سب بہت خوبصورت زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ چادر کو کس کر پایوں کے ساتھ روپہلی پھندنوں والی ڈوریوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ کمرے میں خوشبوؤں کا خاص اہتمام رکھتے ہیں پھول بھی زرد یا زردی مائل رنگ کے سجاتے ہیں۔ مایوں کے دنوں میں لڑکی کھانا بھی علیحدہ کھاتی ہے۔ کھانوں میں صحت بخش اور میٹھے کھانے خاص طور پر کھلائے جاتے ہیں۔

مایوں کو دُلہن کے کمرے میں پہنچانے کے بعد اُبٹن اور رنگ کھیلا جاتا ہے۔ ایک دُوسرے پر زیادہ سے زیادہ رنگ ڈالنے اور اُبٹن لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دُولھا کے مایوں کا سامان لڑکی کی بہنیں اور بھاوجیں لے کر جاتی ہیں۔ جس میں اس کا زرد جوڑا، کنگنا (جو کلابتوں کی روپہلی سنہری ڈوریوں میں سلا ہوا زرنار ہوتا ہے) پینڈیاں، ابٹن وغیرہ ہوتا ہے۔ دُولھن کی بہنیں دولھا کو مایوں کا جوڑا پہنا کر آتی ہیں۔ جس کو وہ تھوڑی دیر بعد اتار دیتا ہے اور نہ ہی

وہ قید ہو کر بیٹھتا ہے۔ البتہ بعض گھروں میں کنگنا (جو اس کے ہاتھ میں بندھا ہوتا ہے) اتارنے کی اجازت نہیں ملتی اور وہ اس کو شادی کے دن تک باندھے رکھتا ہے۔

اس رسم میں روپے اور قیمتی سامان کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی سلیقہ ہُنرمندی اور ذوقِ سلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنی ہُنرمندی اور سلیقے سے یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اتنی ہی دلکش معلوم ہوتی ہے۔

سانچق دولھا کی طرف کے زیورات، کپڑے اور چڑھاوے کا سامان لڑکی والوں کے حوالے کرنے کی رسم سانچق کہلاتی ہے۔ عام طور پر اب یہ رسم ادا نہ کرنا بہتر سمجھتے ہیں اس لیے کہ لڑکی والوں کو ایک اور زیرباری کا سامنا ہوتا ہے اور سمدھیوں کی تھوڑی بہت خاطر تو کرنا ہی پڑتی ہے۔ چنانچہ بہتر یہ ہوتا ہے کہ نکاح والے دن یہ سامان حوالے کر دیا جائے لیکن جو لوگ یہ رسم ادا کرتے ہیں وہ پھر برات سے ایک دن پہلے والی رات کو سانچق لے کر جاتے ہیں۔ خوانوں اور سینیوں میں لال اور سبز کاغذ سجا کر ان میں جوڑے، زیورات کے بکس، ہار پھول، بری کا میوہ (ناریل، چھوہارے، نُقل، مکھانے اور ہر قسم کا خشک میوہ) رنگین کلاوے، جُوتیاں، سنگھار کا سامان، سُہاگ پڑا۔ غرض ہر ہر چیز الگ الگ سینیوں میں سجائی جاتی ہے۔ جوڑے بھی ایک ایک دو دو سجاتے ہیں۔ ہر جوڑے پر ایک ایک دو دو مٹھی بتاشے اور کھیلیں بھی بکھیرتے جاتے ہیں اور پھر ان کو رنگ برنگے خوبصورت خوانوں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ ایک تھال میں مہندی سجاتے ہیں۔ مہندی کو گوندھ کر اس پر دھنک اور گوکھرو سے خوبصورت جال سا بنا دیتے ہیں اور جال

کے ہر خانے میں رنگ برنگی موم بتیاں لگاتے ہیں۔ جب سانچق دلہن کے گھر کے نزدیک پہنچتی ہے تو شمعیں روشن کر دی جاتی ہیں۔ یہ سب سامان دُولھا کی بہنیں، بھانجیاں اور بھتیجیاں اپنے ہاتھوں پر اُٹھائے ہوئے گھر میں داخل ہوتی ہیں۔ جب سب سامان ایک جگہ لاکر رکھ دیا جاتا ہے تو دلھن کو اُسی طرح سُرخ کپڑے کی چوکی پر لاکر بٹھایا جاتا ہے اور دولھا کی رشتے دار عورتیں باری باری سب زیور اس کو پہنا دیتی ہیں۔ ہر خاتون جو زیور پہنانے آتی ہے زیور پہنانے کے بعد کچھ رقم اس پر سے نچھاور کرتی ہے۔

اس رسم کے بعد دولھا والیوں کو شربت یا گرم دودھ پلایا جاتا ہے۔ دودھ پلانے کے بعد دولھن کی طرف کی لڑکیاں صاف ستھرے رومالوں سے ان کا مُنہ پونچھتی ہیں اور شرارت میں خوب رگڑ رگڑ کر سُرخ کر دیتی ہیں۔

اس رسم میں اگر زیر باری کا خوف نہ ہو تو یہ سہولت ہوتی ہے کہ نکاح والے روز لڑکے والے خالی ہاتھ آتے ہیں اور سامان لانے اور لڑکی والوں کو سونپنے کی دقّت سے بچ جاتے ہیں۔

برات برات کا اہتمام اور سمدھنیں تو مشہور رہیں۔ برات میں جانے والے مہمان دولھا کے گھر میں جمع ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے برات سج کر روانہ ہوتی ہے۔ یوں تو شادی اور برات ایسا موقع ہوتا ہے کہ گھر والوں کا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ تمام عزیز اور رشتے دار ساتھ چلیں اور خود رشتے داروں اور ملنے والوں کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے لیکن برات لے جانے والے اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ برات میں اتنے ہی لوگ لے جائیں جن کی خاطر داری اور

بٹھانے کی دُلھن والوں میں وسعت ہو۔ برات میں جانے والوں کی تعداد کا تعین دُلھن کے گھر کی گنجائش اور استطاعت کے مطابق ہوتا ہے جتنے براتی لے جانا ہوتے ہیں ان کی تعداد کی اطلاع بھی پہلے سے دے دیتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ پھر اس تعداد میں تبدیلی نہ ہو۔ ایسی ناوقت تبدیلیاں دلھن والوں کے لیے باعثِ زحمت بن جاتی ہیں۔ خصوصاً جب برات دوسرے شہر سے جا رہی ہو تو مقرّرہ تعداد کا خاص طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے۔

دوپہر کے بعد کسی وقت دُلھن کی بہنیں، دُولھا کا جوڑا اور تیاری کا ضروری سامان کشتیوں میں سجا کر دولھا کے گھر لاتی ہیں۔ اس وہ بہت تھوڑی دیر ٹھیرتی ہیں۔ دو ایک ذمہ دار لڑکیوں کے علاوہ زیادہ تر چھوٹی بچیاں ہی ہوتی ہیں۔

برات کی روانگی سے کم سے کم ایک گھنٹہ پہلے دولھا کو تیار کرنا شروع کرتے ہیں۔ دُولھا کے جوڑے میں کُرتے پاجامہ یا شلوار کے ساتھ شیروانی، کلاہ اور صافہ ہوتا ہے۔ جب دُولھا نہا دھو کر تیار ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی بھاوج آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے اور اس کو اس کام کا نیگ دیا جاتا ہے۔ صافہ اور سہرا بہنوئی باندھتے ہیں۔ جتنے بہنوئی ہوتے ہیں وہ سب مل جُل کر صافہ باندھتے ہیں۔ پھر ان سب کے ہاتھوں سے سہرا چھوایا جاتا ہے اور سب سے بڑا بہنوئی سہرا باندھتا ہے۔ سہرا ہاتھ میں لے کر بہنوئی بزرگوں سے اپنا نیگ مانگتے ہیں یہ دلچسپ جھگڑا خاصی دیر چلتا رہتا ہے اور جب مُنہ مانگی رقم نہیں لے لیتے اس وقت تک سہرا نہیں باندھتے۔ دلھن کے گھر کی طرف روانگی کے وقت اس بات کا خیال خاص طور پر رکھتے ہیں کہ جو سواری سب سے آگے جائے اس میں وہی لوگ

بیٹھیں جو دُلھن والوں سے واقف ہیں۔ اس کے بعد مہمانوں کو روانہ کرتے ہیں منتظمین سب کے بعد روانہ ہوتے ہیں۔ برات کے مہمان عام طور پر چھوٹے بچوں کو ساتھ نہیں لے جاتے اور خاص گھر کے جو بچے جاتے بھی ہیں ان پر پوری نگرانی رکھی جاتی ہے کہ وہ قاعدے سے بیٹھیں اور دُلھن کے گھر میں افراتفری مچاتے نہ پھریں۔

برات کی آمد اور استقبال

دُولھا اگر گھوڑے پر بیٹھ کر سسرال جاتا ہے تو وہاں پر ایک دلچسپ رسم ہوتی ہے۔ دونوں طرف کے لڑکے گھوڑے کے دونوں طرف قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دُولھا کے اُترتے ہی دونوں طرف سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہماری طرف کا کوئی لڑکا گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ اس رسم میں کبھی دلھن والے اور کبھی دُولھا والے جیت جاتے ہیں۔

شادی کی اہم شئ برات کا اِستقبال ہوتا ہے۔ دُلھن کی طرف کی لڑکیاں اور لڑکے زنانے اور مردانے میں پھولوں کے ہار لئے برات کے منتظر کھڑے ہوتے ہیں۔ جُوں ہی سمدھی اور سمدھنیں داخل ہوتے ہیں۔ ان کے گلوں میں ہار ڈال کر ان کو مناسب نشستوں پر بٹھاتے ہیں۔ اکثر لڑکیاں پھولوں کی چھڑیوں سے سمدھنوں کو ہلکے ہلکے مارتی بھی جاتی ہیں۔

دولھا کی والدہ اور دوسری بزرگ بیگمات کو صدر میں بٹھایا جاتا ہے۔ ہر چند سمدھنوں کے قریب قریب گھر کا ایک آدھ فرد یا قریبی مہمان، عزیز اور دوست بیٹھتا ہے تاکہ دولھا والے بے توجہی کا شکار نہ ہوں۔ سمدھیانے والوں کو ان کی نشستوں پر بٹھا کر موسم اور حیثیت کے لحاظ سے مشروبات پان، سگریٹ

وغیرہ پیش کرتے ہیں۔

نکاح اب اصل رسم یعنی نکاح خوانی کی باری ہوتی ہے۔ اس میں بلا سبب تاخیر بدنظمی اور ناگواری کا باعث ہوتی ہے۔ دلھن والوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جلد از جلد دولھا کے والد یا دوسرے بزرگوں کی اجازت سے نکاح خوانی شروع کروادیں۔ جس طرح مردانے میں نکاح کی رسم خاموشی اور سنجیدگی سے ادا کرتے ہیں اسی انداز سے یہ رسم اندر بھی ہوتی ہے۔ نکاح کے وقت دلھن کے کمرے میں غیر متعلق خواتین کا ٹوٹ پڑنا بے تکاپن سمجھا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر دلھن کی ماں، خالہ، پھوپھی یا ایسی ہی کسی ذمّہ دار عزیزہ کے سوا کسی کی موجودگی اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ کوشش یہ کی جاتی ہے۔ دلھن اپنی بزرگ خواتین کی موجودگی میں سکون اور سنجیدگی سے ایجاب و قبول کے مرحلوں سے گزرے نکاح کے بعد مردانے میں چھوہارے اور نقل لٹائے جاتے ہیں اور دولھا دلھن کے قریبی رشتہ داروں کو اُٹھ اُٹھ کر مبارکباد دی جاتی ہے۔ مہذّب گھرانوں میں نکاح قبول کرتے ہی دلھن پر ٹوٹ ٹوٹ کر اور گر گر کر رونا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔

دلھن کی تیاّری اور سہیلیاں اور بہنیں نکاح، اور دلھن بنانے کی رسوم میں دلھن کی سہیلیاں اور بہنیں ایک اہم رول ادا کرتی ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دلھن کو سکون اور اطمینان سے سجا بنا کر تیار کردیں اور یہ کام ان کو انتہائی پھرتی خوش مزاجی اور سمجھداری سے کرنا پڑتا ہے۔ اوّل تو دولھا کے گھر والے اور دوسرے

مہمان خود ہی اس کمرے میں گھسنے اور مجمع کرنے سے احتراز کرتے ہیں لیکن اگر اتفاقاً ایسی صورت ہو تو لڑکیاں خوشدلی اور تہذیب سے ان سے درخواست کرتی ہیں کہ دلھن کے سنگھار کے لیے کچھ وقت اور تھوڑی سی تنہائی کا موقع دے دیا جائے۔ دلھن کے کمرے میں آنے کی کوشش کرنے والوں کو جھڑک جھڑک کر اور تیوریاں چڑھا چڑھا کر تیز آوازوں میں باہر رہنے اور بھیڑ نہ لگانے کے احکامات دینا بداخلاقی اور گستاخی میں شمار ہوتے ہیں اور اس بات کا بڑا امکان ہوتا ہے کہ اس وقت کی دی ہوئی جھڑکیوں اور تیوروں کا بدلہ ان کی عزیز سہیلی یا بہن سے بعد میں لیا جائے۔

عام طور پر لڑکی کو نکاح سے پہلے سسرال کا جوڑا نہیں پہناتے اس لیے دلھن نکاح کے بعد ہی تیار کی جاتی ہے۔ اس تیاری کا اہتمام لڑکیاں پہلے سے کر رکھتی ہیں اور نکاح ہوتے ہی جھٹ پٹ دلھن کو تیار کر دیتی ہیں۔ اس دوران میں مہمانوں کو کھانے یا عصرانے سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ کھانے کے وقت بھی یہ اہتمام رکھنا پڑتا ہے کہ برات کے مہمانوں کے قریب گھر کا ایک فرد ضرور موجود رہے۔ برات کے کھانے یا عصرانے میں زیادہ سہولت چاہیں تو براتیوں کو پہلے اور علیحدہ جگہ پر کھانا کھلا دیتے ہیں جن میں اپنی طرف کے اہم اور قریبی عزیز مہمانوں کو شامل کر دیتے ہیں۔

آرسی مصحف کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد دُولھا کو اندر بلایا جاتا ہے اور وہ دلھن کے بھائیوں کی ہمراہی میں اندر آتا ہے، ساتھ میں اس کے اپنے بھائی بھی ہوتے ہیں۔ دُولھا کی بہنیں دروازے

ہی پر اپنے آنچل سنبھالے کھڑی ہوتی ہیں، جُونہی وہ اندر داخل ہوتا ہے اپنے
اپنے آنچل اس کے سر پر ڈال کر آنچلوں کے سائے میں اسے اندر لے جاتی ہیں
اگر گھر والے اجازت دیتے ہیں تو بھائی بھی اندر آجاتے ہیں۔ دُولھا کو اندر تمام
قریبی بیگمات سے متعارف کراتے ہیں اور وہ ان کو سلام کرتا جاتا ہے اور وہ
اس کو سلامی کے روپے یا تحفے دیتی جاتی ہیں۔ سلامی سے فارغ ہو کر اس کو
مسند پر بٹھا دیتے ہیں اور دُلھن لا کر دولھا کے مقابل بٹھا دیا جاتا ہے۔ دونوں
پر سُرخ کام دار دوپٹہ ڈال کر بیچ میں آئینہ رکھ دیتے ہیں اور پھر دُولھا کو
قرآن شریف کھول کر دیتے ہیں۔ وہ اس میں لایلف کی سورۃ پڑھ کر
دُلھن کے مُنہ پر دم کرتا ہے اور اس سے آنکھیں کھولنے کو کہتا ہے اور اس
سلسلے میں بڑی دیر تک ہنسی مذاق ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً دُلھن والے یہ اصرار کرتے
ہیں کہ دلھن اس وقت تک آنکھیں نہ کھولے جب تک دولھا یہ نہ کہہ دے
کہ آنکھیں کھولو میں تمھارا غلام۔ اُدھر دولھا ایسا کہنے سے انکار کرتا ہے
اور اس رسم کے خاتمے پر دولھا اُٹھتا ہے تو اس کا جوتا غائب ہوتا ہے
جو دولھن کی بہنیں چھپا لیتی ہیں اور اس وقت تک نہیں دیتیں جب تک کہ
دولھا کی ماں، بھاوج یا بڑا بھائی آکر ان کو ان کے مُنہ مانگے نیگ کی رقم
نہیں دیتا۔ یہ رقم دولھا کی حیثیت کے مطابق پہلے سے سوچ لی جاتی ہے، اس
سے زیادہ نہیں مانگتے۔ حیثیت سے زیادہ مانگنا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس
رقم کو دیتے وقت تفریحاً دو دو چار چار آنے یا روپے بڑھاتے بڑھاتے
اصل رقم تک پہنچتے ہیں اور اس رسم کے خاتمے پر رخصتی ہوتی ہے۔

رخصتی کے وقت دلھن کو اس کے کمرے میں پہنچا کر سب لوگ ہٹ آتے ہیں تاکہ اس کے باپ بھائی چچا ماموں اس سے اچھی طرح مل جل لیں اور خاموشی سے رخصت ہو لیں۔ پھر خواتین ملتی ہیں۔ عام طور پر ماں اور وہ عزیز جو حد سے زیادہ متاثر اور رنجیدہ ہوتے ہیں اس سے نہیں ملتے کہ اس کو زیادہ صدمہ نہ ہو۔ رخصت کرتے وقت لڑکی کا باپ دُولھا کے باپ اور ماں دولھا کی والدہ سے بڑی عاجزی سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری بیٹی کا خیال رکھنا اور اس کی نادانیوں سے اسی طرح چشم پوشی کرنا جس طرح اپنی بیٹی سے کرتے ہو۔

زیادہ تر تو دولھا کے والدین اس درجہ متاثر ہوتے ہیں کہ وہ خود ہی آنسو بہانے لگتے ہیں اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو بڑے پیار اور خلوص سے دلھن والوں کی تسلی کرا دیتے ہیں۔ دُلھن جس سواری میں بیٹھتی ہے اس میں دولھا کی ماں اس کے قریب بیٹھ کر قرآن شریف اس کی گود میں دے دیتی ہے اور اس کے دوسری طرف دولھا کو بٹھاتے ہیں۔ جُونہی سواری روانہ ہوتی ہے۔ دُولھا کا باپ اس سواری پر سے پیسے نچھاور کرتا ہے۔

سسرال میں دُلھن کی آمد

دُلھن سسرال کے دروازے پر پہنچتی ہے تو وہاں پہلے سے استقبالیہ گیت گائے جا رہے ہوتے ہیں۔ دُلھن کو وہیں روک کر پہلے اس کا پیر لوٹا بھر دُودھ سے دُھلاتے ہیں اور پھر اس کو پُونچھ کر چاندی کا ورق لگاتے ہیں اور اگر استطاعت ہوتی ہے تو اللہ کے نام کا بکرا ذبح کرتے ہیں۔ پھر

دولھا اور دلھن کو اندر لے کر چلتے ہیں سو دروازے پر دولھا کی بہنیں بار رکتی ہیں یعنی اپنے اپنے دوپٹے ملا کر راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور جب تک ڈپنانیگ نہیں لے لیتیں دولھا دلھن کو اندر نہیں آنے دیتیں۔

دلھن کو گھر میں لانے کے بعد دولھا کی ماں یا کوئی دوسری بزرگ خاتون اپنی پوری توجہ اس کی طرف کر دیتی ہیں تاکہ وہ یہ محسوس نہ کرے کہ یہاں پر وہ اجنبی اور تنہا ہے پھر اس کو اطمینان سے بٹھا کر لڑکیوں کے حوالے کر دیتی ہیں۔

یہاں پر دلھن کی دلبستگی کی خاطر مختلف رسمیں ہوتی ہیں۔ ان ہی میں سے کھیر چٹائی ایک رسم ہے۔

کھیر چٹائی

اس رسم میں دو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ ایک طرف لڑکیاں اور بھاوجیں ہوتی ہیں دوسری طرف لڑکے دلھن کے ہاتھ پر کھیر رکھ کر دولھا سے کھیر کھانے کو کہا جاتا ہے جوں ہی دولھا کھانے کو منہ بڑھاتا ہے دلھن کا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ دولھا کی پارٹی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ دولھا کھانے میں کامیاب رہے۔ یہ تمام رسمیں دلھن کی دلبستگی اور اس کو سسرال لڑکے لڑکیوں سے مانوس کرنے کے لیے کی جاتی ہیں تاکہ وہ ان کی ہنسی مکھ شکلوں اور دلچسپ فقروں اور چٹکلوں میں اپنے گھر والوں کی یاد کو کم کر سکے اور نئے گھر کو اپنا گھر سمجھ سکے

دولھا کے مہمان

اگر دلھن کے گھر میں کھانے کا انتظام نہ ہو تو پھر دولھا والے کھانے کا انتظام خود رکھتے ہیں اور

اپنے گھر پہنچتے ہی کھانا کھلوانے کا انتظام کر دیتے ہیں تاکہ مہمان آرام اور سہولت سے اپنے اپنے گھر جا سکیں۔

ولیمہ شادی کی تمام رسوم میں حقیقتاً ضروری رسوم ولیمے کی دعوت ہے اور اس کو بطورِ سنت رسولؐ ادا کیا جاتا ہے۔ دعوتِ ولیمہ خواہ سادگی سے دی جائے اور خواہ کرّوفر سے، ضرور دی جاتی ہے۔ ولیمے والے دن دلہن کے تمام قریبی رشتے دار بھی دولہا کے گھر مدعو ہوتے ہیں اور ان کا استقبال بھی اسی اہتمام اور اعزاز سے کیا جاتا ہے جیسے برات والے دن دُلہن کے یہاں خود ان کا استقبال ہوتا ہے۔ جن گھرانوں میں جہیز دکھلانے کا رواج ہوتا ہے۔ وہاں ایک کمرے میں دُلہن کا جہیز خوبصورتی سے سجا دیا جاتا ہے۔

دلہن کو برات والے دن سے بھی زیادہ سجایا جاتا ہے اور دولہا دلہن کے لیے اُس کی رونمائی ہوتی ہے اس موقعے پر دوست اور عزیز اپنے رشتے اور حیثیت کے اعتبار سے تحفے اور روپے دیتے ہیں ولیمے والے دن کوئی رسم نہیں ہوتی اور یہ شادی کے ہنگامے کا آخری روز سمجھا جاتا ہے۔
شادی ایک خوشی اور تفریح کا موقع ہوتا ہے اور کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اس موقع کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور مجموعی طور پر کنبے بھر کے لیے خوشی کا باعث بنایا جائے اور یہ تمام رسوم اسی مقصد سے ادا کی جاتی ہیں ورنہ ان میں سے کوئی رسم بھی ایسی نہیں جس کے بغیر شادی نامکمل رہ جائے چنانچہ اس موقع پر بے جا اسراف اور پریشان کن قسم کے اخراجات سے احتراز

کرنے کے باوجود ان رسوم کو سلیقے، سادگی اور پُرکاری سے ادا کرتے اور شادی کے ہنگامے کو دلچسپ بناتے ہیں۔

شادی کے موقع پر اپنی حیثیت سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے اور اظہارِ امارت کو معیوب اور جہالت کی نشانی سمجھا جاتا ہے کسی کنبے کے لوگ اور خود وہ لڑکا لڑکی جن کی شادی پر یہ اخراجات کیے جاتے ہیں یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے والدین ان کی خانہ آبادی کے سلسلے میں مقروض ہو جائیں۔ جائدادیں رہن رکھ دیں یا پھر غلط ذرائع سے اپنی آمدنیوں میں اضافے کر کے ان اخراجات کو پورا کریں۔ اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے والوں کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا انہیں سفلہ سمجھا جاتا ہے۔

شادی کی اصل خوبی اور خوشی حسنِ انتظام، عزیز و اقارب کا ہنسی خوشی مل بیٹھنا اور چھوٹی دلچسپ رسوم سے دل خوش کرنا ہے۔

حرفِ آخر

اس منزل پر آکر یہ کتاب اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد تو نہیں کہ زندگی کے صرف یہی چند پہلو ہیں۔ جن کے لیے ہم کو آداب اور قوانینِ زندگی کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ زندگی بڑی متنوع اور گوناگوں چیز ہے اور اس کے ہر معمولی سے معمولی پہلو سے متعلق بے اندازہ اصول اور طریقے ہیں۔

دراصل زندگی گزارنے کا ڈھنگ محض کسی کتاب کے مطالعے یا کسی ادارے کی تربیت سے نہیں آتا۔ یہ سلیقہ اور ہنر انسان کے ذہن میں رچا ہوا ہوتا ہے۔ بلند تربیت یافتہ ذہن اور روح ہمیشہ ہی شرافت، اونچی اقدار اور اصولوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ روح کی یہ شرافت اور ذہن کی یہ تربیت اس بات کی پابند نہیں ہوتی کہ انسان خاندانی رئیس ہو اور بظاہر بڑے ادب آداب کا پابند ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری تہذیب اور شائستگی بغیر ذہنی شرافت اور تہذیب کے منافقت اور جھوٹا ملمع ہے جو جلد یا بدیر ایک روز اپنی اصلیت ظاہر کر کے رہتا ہے۔

روح کی شرافت نہ اعلیٰ پیمانے کی رہائش اور تزک و احتشام پر منحصر ہوتی ہے اور نہ رکھ رکھاؤ انسان کی ذہنی تربیت اور جلا کا باعث ہوتا ہے۔

بلکہ صداقت، سادگی اور بے لاگ طرزِ زندگی ہی اچھی شرافت کا معیار ہے۔

شرافت اور تہذیب کا سب سے پہلا اور زبردست اصول یہ ہے کہ انسان اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر مظاہرہ کرنا اور اپنی آمدنی سے زیادہ ٹھاٹ باٹ انتہائی بدتہذیبی اور چھوٹے پن کی نشانی ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ ایک انسان نے اپنی پوری زندگی پر جھوٹ اور ریاکاری کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور اس کا ہر گز وقار اہتمام اس کے احساسِ کمتری کا نشان ہے۔

تہذیب کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے قول و فعل یا کسی بھی حرکت سے معاشرے کو مجموعی یا انفرادی طور پر ٹھیس نہ لگے۔ اس سلسلے میں تہذب انسان کا ہر قدم محتاط ہوتا ہے۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام۔ زیرِ قدمت ہزار جان است۔ یہ محض تک بندی نہ تھی بلکہ تہذیب اور شائستگی کی ساری روح نچوڑ کر ان دو مصرعوں میں بھر دی گئی ہے۔ یہ معاشرتی زندگی کے اصولوں کا اعلیٰ ترین جوہر ہے جو ان آٹھ الفاظ کے اندر محفوظ ہے۔

دراصل ہم ایشیائی لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کے نزدیک آدابِ زندگی محض اس کا نام نہیں ہے کہ چھری بائیں ہاتھ کو نہ لگائی جائے اور کانٹا داہنی طرف نہ ہو۔ ساتھ والی عورت کے لیے کار کا دروازہ، مرد کھولے اور اپنے مخاطب سے یوں بات کرے بلکہ اصل مفہوم یہ ہے کہ جو شخص زندگی

میں ہمارے مقابل آ گئے ۔اس سے ہم پُورے خلوص اور دیانت سے ملیں
اور اس کے ذہن پر ہمارا ایک خوشگوار تاثر اور نقش ہمیشہ کے لیے
ثبت ہو جائے ۔ ہمارے لیے ہر انسان قابلِ توجہ ہے اور انسانیت
کا احترام جنگ اور محبت میں بھی اوّلین درجہ رکھتا ہے ۔